تقابلی مطالعہ پروگرام

مسلم دنیا میں پائے جانے والے گروہوں کا تقابلی مطالعہ

ماڈیول CS02: اہل سنت کے ذیلی مکاتب فکر۔۔۔بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث اور ماورائے مسلک حضرات

محمد مبشر نذیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

فہرست

اگر آپ نے اس پروگرام کے تعارف کا مطالعہ نہیں کیا تو اس کتاب کے پڑھنے سے پہلے اس کا مطالعہ کر لیجیے۔ تعارف کو ڈاؤن لوڈ کرنے کے لیے وزٹ کیجیے۔

www.mubashirnazir.org/courses/comparative/CS001-01-Introduction.htm

اس پروگرام کا مقصد کیا ہے اور یہ کس کے لیے ہے؟

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ امت مسلمہ کے مختلف گروہوں اور مکاتب فکر کے مابین جو اختلافات پائے جاتے ہیں، ان کا ایک غیر جانبدارانہ (Impartial) مطالعہ کیا جائے اور ان کے نقطہ نظر کے ساتھ ساتھ ان کے استدلال کا جائزہ بھی لیا جائے۔

اس پروگرام میں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ تمام نقطہ ہائے نظر کو، جیسا کہ وہیں ہیں، بغیر کسی اضافے یا کمی کے بیان کر دیا جائے۔ ان کے بنیادی دلائل بھی جیسا کہ ان کے حاملین بیان کرتے ہیں، واضح طور پر بیان کر دیے جائیں۔ ہم نے کسی معاملے میں اپنا نقطہ نظر بیان نہیں کیا اور نہ ہی کوئی فیصلہ سنایا ہے کہ کون سا نقطہ نظر درست اور کون سا غلط ہے۔ یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔

یہ پروگرام ان لوگوں کے لیے ہے جو:

- وسیع النظر ہوں
- مثبت انداز میں مختلف نقطہ ہائے نظر کو سمجھنا چاہتے ہوں
- منفی اور تردیدی ذہنیت کی رو سے مطالعہ نہ کرتے ہوں
- دلیل کی بنیاد پر نظریات بناتے ہوں نہ کہ جذبات کی بنیاد پر
- اپنے سے مختلف نظریہ کو کھلے ذہن پڑھ سکتے ہوں اور اس میں کوئی تنگی اپنے سینے میں محسوس نہ کرتے ہوں

اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ میں یہ خصوصیات موجود ہیں، تو آپ کا تعلق خواہ کسی بھی مکتب فکر سے ہو، آپ اس پروگرام میں شامل کتب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ خصوصیات آپ میں موجود نہیں ہیں، تو پھر یہ سلسلہ ہائے کتب آپ کے لیے نہیں ہے۔

باب 1: اہل سنت کے ذیلی گروہوں کا ایک تعارف

اہل تشیع کے برعکس اہل سنت کے ہاں مستقل عالمی فرقے تو پیدا نہیں ہوئے البتہ مختلف عوامل کے تحت ان کے ہاں مختلف گروہ وجود میں آتے رہے ہیں۔ کبھی یہ گروہ محض ایک رجحان کی نمائندگی کرتے رہے، کہیں انہوں نے ایک مکتب فکر کی شکل اختیار کی، کبھی یہ ایک مسلک کی صورت میں ڈھل گئے اور تاریخ میں ایسا بھی ہوا ہے کہ انہوں نے ایک مستقل فرقہ کی شکل اختیار کر لی ہو۔ یہ فرقے بالعموم مقامی نوعیت کے رہے ہیں اور وقت کے ساتھ پیدا ہوتے اور ختم ہوتے رہے ہیں۔

ایک دور میں قرون وسطی کے علم الکلام کی بحثوں کے نتیجے میں اہل سنت تین بڑے گروہوں معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ میں تقسیم ہوئے۔ جب ان مسائل کی اہمیت ختم ہو گئی تو یہ گروہ بھی بس کتابوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئے۔ اسی طرح فقہ کے میدان میں ان کے ہاں بہت سے فقہی مکتب فکر پیدا ہوئے جن میں سے چار بڑے مکاتب فکر حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی اب بھی باقی ہیں۔ اہل حدیث ان کے علاوہ ہیں جو تقلید کے قائل نہیں ہیں۔ تصوف کے میدان میں ان کے ہاں متعدد سلسلے وجود پذیر ہوئے جن میں نقشبندی، قادری، چشتی اور سہروردی سلسلے زیادہ مشہور ہوئے۔ ان میں سے بہت سے گروہ کسی زمانے میں کسی مخصوص علاقے میں باقاعدہ فرقے کی شکل اختیار کر گئے تھے اور ان کی دوسرے گروہوں سے محاذ آرائی شروع ہو گئی تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم کر لیا اور اس طرح سے اب ان کی حیثیت ایک مسلک یا مکتب فکر کی ہے۔

موجودہ دور میں اہل سنت کے جو گروہ پائے جاتے ہیں، انہیں ہم ان کے رجحان کے اعتبار سے متعدد انداز میں تقسیم کر سکتے ہیں:

- روایتی اور سلفی گروہ
- تصوف سے تعلق کی بنیاد پر صوفیاء کے مختلف گروہ اور ان کے ناقدین
- جدید و قدیم کی بنیاد پر جدت پسند، روایت پسند اور معتدل گروہ
- فقہی مسالک کی بنیاد پر بننے والے گروہ جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ظاہری وغیرہ

ان سب گروہوں کا مطالعہ ہم اگلے ماڈیولز میں کریں گے البتہ سلفی اور غیر سلفی گروہوں کا مطالعہ ہم اسی ماڈیول میں کریں گے۔ یہ گروہ کسی مقام پر فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں اور کہیں ان کی حیثیت ایک مسلک یا مکتب فکر کی ہے۔

سلفی اور روایتی گروہ کم و بیش ہر مسلم ملک میں پائے جاتے ہیں۔ روایتی گروہوں سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ گروہ جو اس دینی روایت کی حمایت کرتا ہو جو اسے اپنے سے پچھلی نسلوں سے ملا ہو۔ عام طور پر تاریخ میں ایسا ہوا ہے کہ جب اسلام کسی خاص علاقے میں پہنچا تو وہاں مسلمانوں کا سامنا مقامی باشندوں سے پڑا۔ ان مقامی باشندوں میں سے جو لوگ مسلمان ہوئے، وہ اپنی مذہبی روایت، رجحانات اور کلچر

ساتھ لائے۔ اس علاقے میں چلنے والی مذہبی نوعیت کی تحریکیں اس عمل پر اثر انداز ہوئیں۔ پہلے سے مسلمان لوگوں کے ساتھ ان نو مسلموں کا تعلق بڑھا، آپس میں شادی بیاہ ہوئے اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کے مذہب اسلام کا ایک علاقائی یا روایتی ورژن وجود میں آ گیا۔ چونکہ ایک بچہ عام طور پر مذہبی تعلیم عام طور پر دین کے اصلی ماخذ سے کم اور اپنی کلچرل روایت سے زیادہ اخذ کرتا ہے، اس وجہ سے دین کا یہ روایتی ورژن اگلی نسلوں کو منتقل ہو جاتا ہے۔

یہ عمل کم و بیش دنیا کے ہر خطے میں وقوع پذیر ہوا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جنوبی ایشیا یعنی برصغیر کے مسلمانوں کی مذہبی روایت، اہل عرب سے کچھ مختلف ہے۔ اسی طرح وسطی ایشیا، شمال مغربی افریقہ اور مشرق بعید کے مسلمانوں کے مذہب میں کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ اس فرق کے باوجود یہ سب کے سب خود کو مسلم اہل سنت کہلاتے اور سمجھتے ہیں۔ ان کے مذہبی عقائد، عبادت کے طریقے اور دین کے بنیادی اعمال یکساں ہیں البتہ بعض امور میں ان کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اس کے برعکس ہر دور اور ہر خطے میں ایک طبقہ ایسا رہا ہے جس نے اس روایتی مذہب پر تنقید کی ہے اور دین کو اس کے اصل ماخذ یعنی قرآن، سنت اور دور اول کے مسلمانوں یعنی صحابہ و تابعین کے عمل سے اخذ کرنے پر زور دیا ہے۔ چونکہ صحابہ کرام اور تابعین کو سلف [پہلے دور کے لوگ] کہا جاتا ہے، اس نسبت سے یہ لوگ عام طور پر خود کو "سلفی" کہلاتے آئے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سلفی ازم دین کو خالص کرنے کی تحریک (Puritanism) کا نام ہے جس نے مختلف ادوار اور خطوں میں مختلف شکلیں اختیار کی ہیں۔ چوتھی صدی ہجری کے عراق کے حنبلی ہوں یا ساتویں صدی ہجری کے شام میں ابن تیمیہ (661-728/1263-1327) کی پیروکار، بارہویں صدی ہجری کے عرب میں محمد بن عبد الوہاب (1703-1792) کی تحریک ہو یا تیرہویں صدی ہجری میں سید احمد بریلوی (1786-1831) ہندوستان کی تحریک جہاد، ان سب تحریکوں میں ایک عنصر مشترک ہے اور وہ ہے دین کو مذہبی روایت کی بجائے اس کے اصل ماخذ سے سمجھنے کا عزم۔

بارہویں صدی ہجری یا اٹھارہویں صدی عیسوی کے عرب میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نے شرک اور بدعات سے معاشرے کو پاک کرنے کی جو مہم چلائی، اس کا نتیجہ ان کی وفات کے بعد عالمگیر نوعیت کا نکلا۔ اسی سے ملتی جلتی تحریکیں عالم اسلام کے دوسرے علاقوں ہندوستان، سوڈان، شمالی افریقہ، وسط ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا میں پیدا ہوئیں۔ روایتی مذہب کے ساتھ ان کے تصادم کے نتیجے میں مذہبی گروہ پیدا ہوئے۔ یہاں ہم بطور کیس اسٹڈی برصغیر جنوبی ایشیا کی مثال کو سامنے رکھیں گے جہاں اس تصادم کے نتیجے میں تین مستقل فرقے بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث وجود میں آئے۔ دوسرے ممالک میں یہ عام طور پر فرقوں کی شکل تو اختیار نہ کر سکے البتہ سلفی اور روایتی گروہ موجود ہیں جن کی حیثیت دو متوازی مکاتب فکر کی ہے۔

روایتی اور سلفی نقطہ ہائے نظر میں بنیادی اختلاف

اگر دنیا کے مختلف ممالک میں روایتی اور سلفی نقطہ ہائے نظر کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مابین اختلاف دو بنیادی امور پر ہے:

پہلا معاملہ ان عقائد اور رسوم و آداب کا ہے جو تصوف کے زیر اثر روایتی نقطہ ہائے نظر میں داخل ہو گئی ہیں۔ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بزرگان دین کے ساتھ عقیدت کا معاملہ ہے جس کے اظہار کی مختلف شکلیں عقائد و رسوم کی شکل میں موجود ہیں۔ ان میں اکثر سلفی حضرات کے نزدیک شرک کے دائرے میں داخل ہو جاتی ہیں اور ان کے نقطہ نظر کے مطابق ائمہ اور علماء کو پیغمبر، اور پیغمبر کو خدا کے درجے پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ اس سے متعدد اختلافی مسائل جنم لیتے ہیں جن میں عقیدہ علم غیب، حاضر و ناظر کی بحث، غیر اللہ سے مافوق الاسباب طریقے سے مدد مانگنا اور انہیں پکارنا، نور و بشر کا مسئلہ اور تقلید شامل ہیں۔

دوسرا معاملہ ان رسموں کا ہے جو مقامی آبادیوں کے کلچر سے مسلمانوں میں داخل ہو کر دین کا درجہ پا گئی ہیں۔ سلفی حضرات کے نزدیک یہ سب بدعت اور دین میں اضافہ ہیں۔ ان میں مرنے کے بعد ایصال ثواب سے متعلق رسمیں، عید میلاد النبی، مزارات کی تعمیر، ان کی تعظیم اور ان پر عرس کا انعقاد، مزارات کی زیارت کا سفر، بزرگوں کے نام پر نذر و نیاز وغیرہ شامل ہیں۔ اگلے ابواب میں ہم ان تمام اہم مسئلوں کا جائزہ لیں گے اور دیکھیں گے کہ اپنے نقطہ نظر کے حق میں جانبین کے دلائل کیا ہیں۔

روایتی اور سلفی نقطہ ہائے نظر میں اتفاق رائے

روایتی اور سلفی نقطہ ہائے نظر میں ان اختلافات سے قطع نظر ان کے مابین بنیادی امور میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ سب ہی اس بات پر متفق ہیں کہ دین کا بنیادی ماخذ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ احادیث کے مجموعے اور احادیث کو پرکھنے کا طریقہ کار بھی ان کے ہاں یکساں ہے۔ اس کے علاوہ ذیلی مآخذ اجماع اور قیاس کے معاملے میں بھی ان کے ہاں اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ دین کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کے بارے میں ان کے ہاں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ دین کے اخلاقی احکام یعنی اخلاص، عجز و انکسار، محبت الٰہی، تزکیہ نفس اور تعلق باللہ کو سبھی مانتے ہیں اور اخلاقی رذائل جیسے تکبر، ریاکاری، حسد، کینہ وغیرہ کو سبھی برا سمجھتے ہیں۔ شریعت کے بنیادی احکام نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور جہاد کے بارے میں ان کے ہاں کوئی اساسی نوعیت کا اختلاف نہیں ہے۔

سلفی اور غیر سلفی ہونے کے اعتبار سے جنوبی ایشیا کے اہل سنت کے مسالک

جنوبی ایشیا سے ہماری مراد بنیادی طور پر وہ ممالک ہیں جو برصغیر پاک وہند کا حصہ ہیں۔ ان میں ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، سری لنکا، نیپال، بھوٹان اور مالدیپ شامل ہیں۔ جن مسالک کا ہم اس کتاب میں ذکر کریں گے، ان کی غالب آبادیاں پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش اور افغانستان میں آباد ہیں۔ بقیہ ممالک کے مسلمانوں میں مسالک کی تقسیم بہت زیادہ گہری نہیں ہے۔ بنیادی طور پر جنوبی ایشیا کے سنی مسالک کی تعداد چار ہے:

- سنی بریلوی
- سنی دیوبندی
- اہل حدیث یا سلفی
- وہ حضرات (اس میں خواتین بھی شامل ہیں) جو کسی خاص فرقہ سے متعلق نہیں ہیں

برصغیر کے اہل سنت تین فرقوں میں تقسیم ہیں: اہل حدیث، دیوبندی اور بریلوی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل حدیث ایک جانب ہیں اور بریلوی دوسری جانب۔ دیوبندی حضرات نے ان کے درمیان کا راستہ اختیار کیا ہے اور ان میں سے بعض اہل حدیث کے قریب ہیں اور بعض بریلویوں کے۔ ان تینوں مسالک سے ہٹ کر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو خود کو ان تینوں مسالک سے وابستہ نہیں سمجھتے۔ ان کے لئے اس کتاب میں ہم نے "ماورائے مسلک" یا "فرقوں سے ماوراء حضرات" یا "کسی فرقہ سے تعلق نہ رکھنے والے حضرات" کی اصطلاح اختیار کی ہے۔ مختلف مسائل میں ان گروہوں کے نقطہ ہائے نظر کا تفصیلی جائزہ ہم اگلے ابواب میں لیں گے۔ اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، مناسب ہو گا کہ ان مکاتب فکر اور ان کی شخصیات کا ایک اجمالی تعارف پیش کر دیا جائے۔

سنی بریلوی مکتب فکر

سنی بریلوی مکتب فکر روایتی دین کا علمبردار ہے۔ ان کا طرہ امتیاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بزرگان دین سے عقیدت و محبت ہے اور تصوف ان کا خاص میدان ہے۔ لفظ بریلوی کی نسبت مولانا احمد رضا خان بریلوی (1856-1921) سے ہے جنہوں نے 1906 میں بعض علمائے دیوبند پر کفر کا فتوی لگایا جس کے نتیجے میں بریلوی اور دیوبندی مکاتب فکر علیحدہ ہوئے۔ مولانا بریلوی کا تعلق، یوپی انڈیا کے شہر "بانس بریلی" سے تھا۔ واضح رہے کہ اوپر بیان کردہ سید احمد بریلوی (1786-1831) کا تعلق یوپی ہی کے ایک اور شہر "رائے بریلی" سے تھا اور وہ بریلوی حضرات کی بزرگ شخصیات میں شامل نہیں ہیں۔

سنی بریلوی حضرات عام طور پر خود کو بریلوی کہلوانا پسند نہیں کرتے بلکہ اپنے لیے "سنی" کا لقب اختیار کرتے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے اسی لقب کا دعوی دیوبندی اور اہل حدیث بھی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کتاب میں ان کے لیے "سنی بریلوی" کی اصطلاح

استعمال کی ہے۔ ان کا دعوی ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت ان کی ہم مسلک ہے۔ پاکستان میں سنی بریلوی زیادہ تر پنجاب اور سندھ میں اکثریت میں ہیں۔ دیوبندی، اہل حدیث اور ماورائے مسلک حضرات سبھی کے لیے سنی بریلویوں کے ہاں عام طور پر "وہابی" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

سنی بریلوی مکتب فکر کی اہم تحریکوں اور جماعتوں میں جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اہل سنت، دعوت اسلامی، منہاج القرآن اور انجمن طلباء اسلام شامل ہیں۔ ان کی اہم ترین شخصیت مولانا احمد رضا خان بریلوی (1856-1921) ہیں جن کے لیے "اعلی حضرت" کا لقب اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے بیٹے حامد رضا خان (1875-1943) اور مصطفی رضا خان (1892-1981)، مولانا امجد علی (1878-1948)، مولانا نعیم الدین مراد آبادی (1882-1948)، مولانا عبدالعلیم صدیقی (1892-1954)، پیر جماعت علی شاہ (1840-1951)، مفتی احمد یار خان نعیمی (1906-1971) اور مولانا احمد سعید کاظمی (1913-1986) شامل ہیں۔ حالیہ مشہور شخصیات میں مفتی اختر رضا خان بریلوی (b. 1943)، پیر محمد کرم شاہ الازہری (1917-1998)، مولانا شاہ احمد نورانی (1926-2003)، مولانا محمد الیاس قادری (b. 1950)، علامہ غلام رسول سعیدی (b. 1937) اور ڈاکٹر طاہر القادری (b. 1951) شامل ہیں۔ واضح رہے کہ حالیہ مشہور شخصیات میں سب کی سب سنی بریلوی حضرات کے ہاں متفق علیہ نہیں ہیں۔

سنی دیوبندی مکتب فکر

دیوبندی مکتب فکر کی نسبت بھی یوپی کے ایک قصبے دیوبند سے ہے جہاں 1867 میں مولانا محمد قاسم نانوتوی (1832-1880) نے دارالعلوم قائم کیا۔ یہ لوگ بھی تصوف کے قائل ہیں۔ انہوں نے اپنے لیے بالعموم روایت اور سلفیت کے بیچ کا راستہ اختیار کیا ہے۔ بعض معاملات میں ان کا نقطہ نظر بریلوی اور بعض میں اہل حدیث کے قریب ہے۔ اسی طرح دیوبندی مسلک کی مختلف شخصیات کا رجحان بھی مختلف ہے اور اپنے عقائد و نظریات میں ان کے بعض لوگ بریلوی اور بعض اہل حدیث مسلک کے زیادہ قریب ہیں۔ شروع میں بریلوی اور دیوبندی مکاتب فکر میں بہت زیادہ اور گہرا اختلاف نہ تھا مگر جب 1906 میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے چوٹی کے بعض علمائے دیوبند پر کفر کا فتوی عائد کیا، تو اس کے نتیجے میں یہ دونوں گروہ الگ ہو گئے۔ اس اختلاف کی تفصیل کا مطالعہ ہم اگلے ابواب میں کریں گے۔

پاکستان میں سنی دیوبندی زیادہ تر صوبہ خیبر پختون خواہ اور بلوچستان میں اکثریت میں ہیں۔ اس کے علاوہ افغانستان میں انہیں فیصلہ کن اکثریت حاصل ہے۔ مشہور زمانہ طالبان تحریک کا تعلق بھی دیوبندی مکتب فکر سے ہے۔ علمائے دیوبند ایک جانب بریلوی حضرات سے ان مسائل پر اختلاف کرتے ہیں جن میں ان کے خیال میں وہ شرک و بدعت میں مبتلا ہیں اور دوسری جانب اہل حدیث حضرات سے مسئلہ تقلید اور تصوف پر اختلاف کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سنی بریلوی حضرات انہیں اہل حدیث کے ساتھ نتھی کر کے "وہابی" قرار دیتے ہیں جبکہ اہل حدیث حضرات انہیں بریلوی حضرات کے ساتھ شامل کر کے "مقلد صوفی" سمجھتے ہیں۔

سنی دیوبندی حضرات کی اہم تحریکوں اور جماعتوں میں جمعیت علمائے ہند، جمعیت علمائے اسلام، تبلیغی جماعت، تحریک طالبان اور انجمن سپاہ صحابہ شامل ہیں۔ تبلیغی جماعت کا اگرچہ آفیشل موقف یہ ہے کہ یہ کسی خاص مسلک کی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کی جماعت ہے البتہ جنوبی ایشیا کی حد تک ان کے کارکنان کی اکثریت دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتی ہے۔ عالم عرب اور دیگر علاقوں میں البتہ ان کی ممبر شپ گلوبل ہے۔ سنی دیوبندی حضرات کی اہم ترین شخصیات میں بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی (1880-1832)، رشید احمد گنگوہی (1829-1905)، خلیل احمد سہارن پوری (1927-1852)، اشرف علی تھانوی (1943-1863)، مولانا محمود الحسن (1920-1851)، علامہ شبیر احمد عثمانی (1949-1886)، مولانا حسین احمد مدنی (1957-1879)، مولانا انور شاہ کشمیری (1933-1875)، مولانا محمد الیاس کاندھلوی (1944-1885)، اور مفتی محمد شفیع (1976-1896) شامل ہیں۔ ان میں سے پہلے چار وہ حضرات ہیں جن پر مولانا احمد رضا خان بریلوی نے کفر کا فتوی عائد کیا تھا۔ علمائے دیوبند کی حالیہ مشہور شخصیات میں جسٹس محمد تقی عثمانی (b. 1943)، مولانا سرفراز خان صفدر (1914-2009)، مولانا انعام الحسن (1918-1995)، مولانا سمیع الحق (b. 1937) مولانا طارق جمیل (b. 1953)، مولانا فضل الرحمن (b. 1953) اور ملا محمد عمر (b. 1959) مشہور ہیں۔

ان کے علاوہ بعض ایسی شخصیات بھی ہیں جو کہ بریلوی اور دیوبندی دونوں کے نزدیک محترم مانی جاتی ہیں۔ ان میں مولانا فضل حق خیر آبادی (1797-1861)، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (1817-1899) اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی (1859-1937) نمایاں ہیں۔ شاہ ولی اللہ (1703-1762) اور ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز (1745-1823) بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث تینوں مکاتب فکر کے نزدیک بالعموم محترم سمجھے جاتے ہیں۔

اہل حدیث مکتب فکر

اہل حدیث مکتب فکر خالص سلفی ازم کا نمائندہ ہے۔ یہ لوگ سنی بریلوی حضرات پر ان عقائد و رسوم کے معاملے میں کڑی تنقید کرتے ہیں جو ان کے نزدیک شرک اور بدعت میں داخل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بریلوی و دیوبندی دونوں گروہوں پر تصوف اور تقلید کے مسائل میں تنقید کرتے ہیں۔ ان کا فکری تعلق عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب (1703-1792)، ان سے پہلے ابن تیمیہ (661-728/1263-1327)، اور ان سے پہلے امام احمد بن حنبل (164-241/780-855) کے ساتھ ہے۔ ابن عبدالوہاب کی نسبت سے ان کے مخالفین انہیں "وہابی" کہتے ہیں حالانکہ یہ خود اس لقب کو پسند نہیں کرتے۔ اہل حدیث حضرات کا کہنا یہ ہے کہ وہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کو اپنا فکری راہنما تسلیم کرتے ہیں اور بعد کے کسی امام کی تقلید کرنے کی بجائے قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

اہل حدیث کی اہم جماعتوں اور تحریکوں میں جمعیت اہل حدیث اور جماعت الدعوۃ نمایاں ہیں۔ ان کی اہم شخصیات میں میاں نذیر حسین دہلوی (1805-1902)، مولانا وحید الزماں (1850-1919)، نواب صدیق حسن خان بھوپالی (d. 1890)، مولانا محمد حسین بٹالوی

(1831-1920)، مولانا داؤد غزنوی(1895-1963)، مولانا اسماعیل سلفی (1895-1968)، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی(d. 1956) اور علامہ احسان الٰہی ظہیر(1945-1987) شامل ہیں۔ حالیہ مشہور شخصیات میں مولانا ساجد میر (b. 1938) اور حافظ محمد سعید (b. 1950) نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ اہل حدیث حضرات عالم عرب کی سلفی شخصیات سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں شیخ محمد بن عبد الوہاب (1703-1792)، شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز(1912-1999) اور علامہ ناصر الدین البانی(1914-1999) مشہور ترین ہیں۔

اہل حدیث حضرات کے ہاں شخصیت پرستی کو پسند نہیں کیا جاتا اور اسے شرک کا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے، اس وجہ سے ان کے ہاں ہمیں شخصیات کی اس طرح پروجیکشن نہیں ملتی جیسی دوسرے مکاتب فکر کے ہاں ہے۔

ماورائے مسلک

ماورائے مسلک مسلمانوں سے ہماری مراد بر صغیر جنوبی ایشیا کے وہ جدید تعلیم یافتہ افراد ہیں جو فرقہ واریت سے نالاں ہیں اور خود کو کسی خاص مسلک سے وابستہ نہیں سمجھتے ہیں۔ دیگر مسالک اور مکاتب فکر کے مقابلے میں یہ کوئی منظم گروہ نہیں ہے، نہ اس کا لٹریچر یکساں ہے اور نہ ہی ان کی کوئی مخصوص اور نمایاں شخصیات ہیں جن پر ان سب کا اتفاق ہو۔ یہ غیر منظم افراد ہیں جو اپنے اپنے انفرادی حلقوں میں کام کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ ہماری اس تعریف میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں جو ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتے یا حدیث و سنت کا انکار کرتے ہیں یا پھر دین میں کسی تحریف کے قائل ہیں۔ یہ لوگ الگ مستقل الگ فرقے ہیں جن کا مطالعہ ہم ایک علیحدہ ماڈیول CS03 میں کریں گے۔

ماورائے مسلک مسلمانوں کی تعداد پہلے بہت کم تھی مگر جدید دور میں خاص کر شہروں کے تعلیم یافتہ طبقے میں ان کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ روایتی مکاتب فکر میں بھی ایسے آزاد خیال لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے اور ان سے مکالمہ کرنے کے قائل ہیں۔ یہ لوگ دیگر مکاتب فکر کے لوگوں کی کتب سے استفادہ کرتے ہیں اور مثبت انداز میں ان سے گفتگو کرتے ہیں۔ جنوبی ایشیا سے باہر کے ممالک میں ماورائے مسلک مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

مشہور ماورائے مسلک شخصیات میں سید جمال الدین افغانی (1838-1897)، مفتی محمد عبدہ(1849-1905)، علامہ رشید رضا(1865-1935)، مولانا شبلی نعمانی(1857-1914)، ابو الکلام آزاد(1888-1958)، حمید الدین فراہی(1863-1930)، علامہ محمد اقبال(1877-1938)، سید ابو الاعلیٰ مودودی(1903-1979)، محمد اسد(1900-1992)، ڈاکٹر محمد حمید اللہ (1908-2002)، ڈاکٹر یوسف القرضاوی (b. 1926) اور مولانا امین احسن اصلاحی(1904-1998) نمایاں ہیں۔ موجودہ اسکالرز میں ڈاکٹر اسرار احمد(1932-2010)، ڈاکٹر محمود احمد غازی (1950-2010)، جاوید احمد غامدی (b. 1951)، ڈاکٹر فرحت ہاشمی (b. 1957)، ڈاکٹر ذاکر نائک (b. 1965) کا شمار بھی ماورائے مسلک علماء میں کیا جا سکتا ہے تاہم ان میں سے بعض کا میلان سنی دیوبندی یا اہل حدیث مکاتب فکر کی جانب ہے۔

ماورائے مسلک مسلمانوں میں اکثر دینی تحریکوں جیسے اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کا شمار بھی کیا جا سکتا ہے۔ عام ماورائے مسلک مسلمان غیر منظم ہیں جبکہ یہ تحریکیں استثنائی طور پر منظم جماعتیں ہیں۔ یہ جماعتیں بھی خود کو کسی مخصوص مسلک سے وابستہ نہیں سمجھتی ہیں اور اپنے دروازوں کو تمام مسالک کے لوگوں کے لیے کھلا سمجھتی ہیں۔ ان کے نقطہ نظر کا تفصیلی جائزہ ہم اسلامی تحریکوں سے متعلق ماڈیول میں لیں گے۔

بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث مسالک کے مابین اہم اختلافی مسائل

اوپر بیان کردہ مسالک کے مابین چند ایسے بنیادی مسائل ہیں جن کے بارے میں ان کے ہاں شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اختلافات اور امور پر بھی ہے مگر وہ انہی مسائل کی فرع ہیں:

- عقیدہ علم غیب
- عقیدہ نور و بشر
- عقیدہ حاضر و ناظر
- عقیدہ ایصال ثواب
- استعانت لغیر اللہ
- بدعت

اس ماڈیول کے اگلے ابواب میں ہم ان مسائل کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

ان مسائل کے علاوہ دو معاملات ایسے ہیں جن میں مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر میں ایک گہری تقسیم پائی جاتی ہیں۔ یہ تصوف اور اجتہاد و تقلید کے مسائل ہیں۔ یہ مسائل ایسے ہیں جن کا مطالعہ ایک آدھ باب میں مکمل نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ ان کے معاملے میں اختلافات کی تقسیم اس قدر گہری ہے کہ ان کے لیے علیحدہ ماڈیول درکار ہیں۔ اس وجہ سے ان کا مطالعہ ہم اس ماڈیول کی بجائے اس سے اگلے ماڈیولز میں کریں گے۔

اسائنمنٹس

1. بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث اور ماورائے مسلک حضرات کے تین تین اکابر علماء کے نام تحریر کیجیے۔
2. بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث مسالک کے ناموں کی وضاحت کیجیے۔

باب 2: توحید و شرک سے متعلق مباحث

مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اس بات پر متفق ہیں کہ دین اسلام کی بنیادی دعوت توحید ہے۔ شرک اکبر الکبائر یعنی سب سے بڑا گناہ ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔ بعض مسائل ایسے ہیں جن میں اہل حدیث سلفی حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ روایتی مکاتب فکر کے لوگ کسی نہ کسی درجے میں شرکیہ عقائد اور رسوم میں مبتلا ہیں۔ روایتی مکاتب فکر کے لوگ اس کی سختی سے تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہر گز کسی قسم کے شرک میں مبتلا نہیں ہیں۔ وہ مسائل یہ ہیں:

- انبیاء واولیاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ انہیں غیب کا علم ہے
- انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کو حاضر و ناظر ماننا
- انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کو پکارنا اور ان سے مدد مانگنا
- مزارات پر نذر و نیاز اور چڑھاوے چڑھانا

ان مسائل میں سے پہلے تین کا تعلق عقیدہ سے ہے اور چوتھے کا عمل سے۔ ان مسائل میں سنی بریلوی، بعض سنی دیوبندی اور اہل تشیع ایک نقطہ نظر کے حامل ہیں جسے ہم آسانی کے لیے "فریق اول" کہہ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس اہل حدیث اور اکثر سنی دیوبندی حضرات کا نقطہ نظر ان سے مختلف ہے اور اسے آسانی کے لیے ہم "فریق دوم" کہیں گے۔ اس باب میں ہم ان اختلافی مسائل میں سے ان مسائل میں جانبین کے نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لیں گے اور اگلے ابواب میں فریقین کے دلائل کا مطالعہ کریں گے۔

فریق اول کا نقطہ نظر

مسئلہ علم غیب

غیب کی تعریف پر بالعموم سبھی مکاتب فکر میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ سنی بریلوی عالم مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب (1906-1971) کے الفاظ میں:

> غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ، ناک، کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداہتاً عقل میں آسکے۔ لہذا پنجاب والے کے لئے بمبئی غیب نہیں کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا ہے کہ بمبئی ایک شہر ہے۔ یہ حواس سے علم ہوا۔ اسی طرح کھانوں کی لذتیں اور ان کی خوشبو وغیرہ غیب نہیں کیونکہ یہ چیزیں اگر آنکھ سے چھپی ہیں مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں۔ جن، ملائکہ اور جنت و دوزخ ہمارے لیے اس وقت غیب ہیں کیونکہ نہ ان کو حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ بلا دلیل عقل سے۔ غیب دو طرح کا ہے، ایک وہ

جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے، یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے۔ دوسرا وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں۔ پہلے غیب کی مثال جیسے جنت دوزخ اور خدائے پاک کی ذات وصفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآن کی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا علم کہ کب ہو گی، انسان کب مرے گا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، بدبخت ہے یا نیک بخت کہ ان کو دلائل سے بھی معلوم نہیں کر سکتے۔ اسی دوسرے غیب کو مفاتیح الغیب کہا جاتا ہے۔[1]

سنی بریلوی حضرات اور بعض سنی دیوبندی حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ علم غیب دو قسم کا ہے: ذاتی اور عطائی۔ علم ذاتی وہ ہے جو کسی ہستی کو خود حاصل ہو۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالی کے لائق ہے۔ جو شخص یہ مانے کہ کسی بھی مخلوق کو علم ذاتی حاصل ہے، وہ بالاتفاق سب کے نزدیک مشرک ہے۔ دوسرا علم عطائی ہے یعنی اللہ تعالی کسی کو علوم غیبیہ میں سے کچھ عطا کر دے۔ اس قسم کے علم غیب کے اثبات کے بریلوی اور بعض دیوبندی حضرات قائل ہیں۔ مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں (از خالص الاعتقاد صفحہ 5)

قسم اول

1۔ اللہ عزوجل عالم بالذات ہے۔ اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

2۔ حضور علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کو رب تعالی نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

3۔ حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم و خلیل علیہما السلام اور ملک الموت اور شیطان بھی خلقت ہیں۔ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں، ان کا انکار کفر ہے۔

قسم دوم

1۔ اولیائے کرام کو بھی بالواسطہ انبیائے کرام کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔

2۔ اللہ تعالی نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو پانچ غیبوں میں سے بہت جزئیات کا علم دیا۔ جو اس قسم دوم کا منکر ہے، وہ گمراہ اور بدمذہب ہے کہ صدہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔

قسم سوم

1۔ حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ کب ہو گی۔

2۔ تمام گزشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں، ان کا بلکہ ان سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

3۔ حضور علیہ السلام کو حقیقت روح اور قرآن کے سارے متشابہات کا علم دیا گیا۔[2]

مسئلہ حاضر وناظر

علم غیب کے بعد دوسرا بڑا اختلافی مسئلہ "حاضر وناظر" کا ہے۔ مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

مختار الصحاح میں ابن ابی بکر رازی کہتے ہیں: جہاں تک ہماری نظر کام کرے، وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جس جگہ ہماری دسترس ہو کہ تصرف کر لیں، وہاں تک ہم حاضر ہیں۔ آسمان تک نظر کام کرتی ہے، وہاں تک ہم ناظر، یعنی دیکھنے والے ہیں مگر وہاں ہم حاضر نہیں کیونکہ وہاں دسترس نہیں۔ اور جس حجرے یا گھر میں ہم موجود ہیں، وہاں حاضر ہیں کہ اس جگہ ہماری پہنچ ہے۔

عالم میں حاضر وناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست [ہاتھ کی ہتھیلی] کی طرح دیکھے اور دور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے۔ یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے۔ ان سب معنی کا ثبوت بزرگان دین کے لئے قرآن و حدیث اور اقوال علماء سے ہے۔[3]

سنی بریلوی حضرات کا نقطہ نظر اس ضمن میں یہ ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کو اللہ تعالی نے طاقت عطا کی ہے کہ وہ اپنی قبر یا کسی ایک مقام پر رہتے ہوئے پورے عالم کو دیکھتے ہیں، اس میں تصرف کر سکتے ہیں اور وہ کائنات میں جہاں چاہے پہنچ کر اپنے مریدوں کی مافوق الاسباب (Super-natural) طریقے سے مدد کر سکتے ہیں۔

انبیاء واولیاء سے مافوق الفطرت طریقے سے مدد طلب کرنا

جب سنی بریلوی حضرات کے ہاں اس بات کو مان لیا گیا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیائے کاملین ایک مقام پر رہتے ہوئے بھی پوری دنیا میں حاضر وناظر ہیں، انہیں ہر ہر بات کا علم ہوتا ہے اور وہ جہاں چاہے پہنچ کر اپنے عقیدت مندوں کی مافوق الاسباب طریقے سے مدد کر سکتے ہیں، تو پھر اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اپنی مشکلات میں انہیں پکارا جا سکتا ہے اور ان سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ اہل حدیث اور اکثر دیوبندی حضرات اس کی سختی سے تردید کرتے ہیں اور اسے شرک قرار دیتے ہیں۔ اسے "مسئلہ استمداد" یا "مسئلہ استعانت لغیر اللہ" یعنی مدد طلب کرنا کہتے ہیں۔

اس معاملے میں سنی بریلوی حضرات کے ہاں دو رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایک رجحان تو یہ ہے کہ کسی زندہ یا فوت شدہ بزرگ سے براہ راست دعا کی جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ وہ پہنچ کر اپنے مرید کی مدد کریں۔ یہ عام لوگوں کا عمل ہے اور وہ اپنے پیروں اور بزرگوں سے اس طریقے سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ ان بزرگ کو اللہ تعالی نے ایسی طاقت دے رکھی ہے جس کے ذریعے وہ ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکتے ہیں۔

واللہ وہ سن لیں گے، فریاد کو پہنچیں گے۔۔۔۔ اتنا بھی تو ہو کوئی، جو آہ کرے دل سے

اس کے برعکس سنی بریلویوں ہی کے ہاں ایک دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ زندہ یا فوت شدہ بزرگ خود مدد نہیں کر سکتے بلکہ جب ہم ان سے مدد کی درخواست کرتے ہیں تو دراصل ہم ان سے یہ عرض کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالی سے ہمارے لیے دعا کریں۔ اس نقطہ نظر کی نمائندگی کرتے ہوئے سنی بریلوی عالم پیر محمد کرم شاہ الازہری (1917-1998) لکھتے ہیں:

حدیث قدسی جسے امام بخاری اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے میں مذکور ہے کہ اللہ تعالی اپنے مقبول بندوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ لإن سألنِي لأعطينه ولإن استعاذنِي لاعيذنه. اگر میرا مقبول بندہ مجھ سے مانگے گا تو میں ضرور اس کا سوال پورا کروں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو میں ضرور اسے پناہ دوں گا۔ تو اب اگر کوئی شخص ان محبوبان الہی کی جناب میں خصوصاً حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کے حضور میں کسی نعمت کے حصول یا کسی مشکل کی کشود کے لیے التماس دعا کرتا ہے تو یہ بھی استعانت بالغیر اور شرک نہیں بلکہ عین اسلام اور عین توحید ہے۔ ہاں اگر کسی ولی، شہید یا نبی کے متعلق کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ مستقل بالذات ہے اور خدا نہ چاہے، تب بھی یہ کر سکتا ہے تو یہ شرک ہے اور ایسا کرنے والا مشرک ہے۔ اس حقیقت کو حضرت شاہ عبد العزیز [شاہ ولی اللہ کے بیٹے] نے نہایت بسط کے ساتھ اپنی تفسیر میں رقم فرمایا ہے۔ اور اس کا ماحصل مولانا محمود الحسن صاحب [مشہور دیوبندی عالم] نے اپنے حاشیہ قرآن میں ان جامع الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالی سے ہی سے استعانت ہے۔"

اور اس طرح کی استعانت تو پاکان امت کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ جناب رسالت مآب میں عرض کرتے ہیں: وأنت مجيْري من هجوم ملمة... إذا انشبت في القلب شر المخالب. یارسول اللہ! حضور مجھے پناہ دینے والے ہیں جب مصیبتیں ٹوٹ پڑیں اور دل میں اپنے بے رحم پنجے گاڑ دیں۔

بانی دار العلوم دیوبند [مولانا قاسم نانوتوی] عرض کرتے ہیں۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا   نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار[4]

بزرگان دین کے مزارات پر سرانجام دی جانے والی رسمیں

یہ اوپر بیان کردہ تینوں عقائد کا عملی مظہر ہے۔ جب یہ مان لیا گیا کہ انبیاء و اولیاء حاضر و ناظر ہیں اور علم غیب رکھتے ہیں اور اپنی مشکلات میں ان سے مدد طلب کی جاسکتی ہے تو پھر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی قبور مرجع خلائق بن جائیں۔ چنانچہ ہم اپنی عام زندگی میں دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کے عالی شان مقابر تعمیر کیے جاتے ہیں، جن کے ساتھ ایک مسجد بھی عموماً ہوتی ہے۔ مزار کی زیارت کے لیے سفر کیا جاتا ہے اور یہاں آکر دعائیں کی جاتی ہیں۔ ان دعاؤں کا رخ کبھی اللہ تعالی کی جانب ہوتا ہے اور کبھی صاحب مزار کی طرف۔ مزار پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں اور منتیں مانی جاتی ہیں۔ بزرگ کی قبر کی غیر معمولی تعظیم کی جاتی ہے، زمین ادب چومی جاتی ہے، یہاں کی خاک کا سرمہ آنکھوں میں لگایا جاتا ہے اور مزار کے نزدیک چلے و مراقبے کیے جاتے ہیں۔ یہ تمام عمل سنی بریلوی، اہل تشیع اور بعض سنی دیوبندی حضرات میں سے بعض کے ہاں بھی بکثرت سرانجام دیے جاتے ہیں۔

یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب ہو گا کہ بہت سی ایسی رسمیں ہیں جو عام لوگ سرانجام دیتے ہیں مگر عام بریلوی عالم ان سے سختی سے منع کرتے ہیں اور انہیں حرام قرار دیتے ہیں۔ ان میں خواتین کا مزارات پر جانا، مزار یا پیر کی جانب سجدہ کرنا، وہاں پر رقص و موسیقی کے

ساتھ قوالی کرنا اور صاحب مزار کے نام پر نذر پیش کرنا شامل ہیں۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

امام قاضی سے یہ پوچھا گیا ہے کہ عورتوں کا مقابر کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا: ایسی جگہ جواز و عدم جواز نہیں پوچھتے۔ یہ پوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے جب گھر سے قبور کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے۔ اللہ تعالی اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے جب گھر سے باہر نکلتی ہے۔ سب طرف سے شیطان گھیر لیتے ہیں جب قبر تک پہنچتی ہے، میت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے، جب واپس آتی ہے، اللہ تعالی کی لعنت میں ہوتی ہے۔۔۔۔

اس جناب سے سوال ہوا کہ ایک شخص مزامیر [موسیقی] سنتا اور کہتا ہے کہ یہ میرے لیے حلال ہیں، اس لیے کہ میں ایسے درجے تک پہنچ گیا کہ احوال کا اختلاف مجھ پر اثر نہیں ڈالتا۔ فرمایا: ہاں پہنچا تو ضرور مگر کہاں تک؟ جہنم تک؟ [5]

اگر وہ مقصود جو بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیاء کرام کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اس کی کچھ معیاد مقرر کرتی ہیں۔ اس معیاد تک کتنے ہی بار بچے کا سر منڈے، وہ چوٹی بر قرار رکھتی ہیں، پھر معیاد گزار کر مزار پر لے جاکر بال اتارتی ہیں تو یہ ضرور محض بے اصل و بدعت ہے۔ [6]

یہاں سے معلوم ہوا کہ جہال عوام اپنے سرکش پیروں کو سجدہ کرتے ہیں اور اسے پائیگاہ کہتے ہیں۔ بعض مشائخ کے نزدیک کفر ہے اور گناہ کبیرہ تو بالاجماع ہے۔ پس اگر اسے پیر کے لئے جائز جانے تو وہ کافر ہے اور اگر اس کے پیر نے اسے سجدہ کا حکم کیا اور اسے پسند کر کے راضی ہوا تو وہ شیخ نجدی خود بھی کافر ہے، اگر کبھی وہ مسلمان تھا بھی۔ [7]

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

قوالی جو آج کل عام طور پر مروج ہے کہ جس میں گندے مضامین کے اشعار گائے جاتے ہیں اور فاسق اور امردوں [جنسی کشش رکھنے والے ایسے خوبصورت لڑکے جن کی ابھی داڑھی نہ نکلی ہو] کا اجتماع ہوتا ہے اور محض آواز پر رقص ہوتا ہے، یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جگہ تمام شرائط سے قوالی ہو، گانے والے اور سننے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے ہیں۔ [8]

فریق دوم کا نقطہ نظر

اہل حدیث اور اکثر دیوبندی حضرات کا نقطہ نظر ان معاملات میں یہ ہے کہ علم غیب اللہ تعالی کے سوا کوئی اور نہیں جانتا ہے، نہ ہی اس کے سوا کسی کو حاضر و ناظر کہا جا سکتا ہے۔ اس کے سوا کسی سے بھی مدد نہیں مانگی جا سکتی ہے۔ اپنے علوم غیبیہ میں سے کچھ باتیں اللہ تعالی اپنے پیغمبروں کو بتا دیتا ہے مگر یہ ہر چیز کا علم نہیں ہوتا ہے بلکہ انہی امور کا علم ہوتا ہے جن کا تعلق امور نبوت سے ہوتا ہے۔ اہل حدیث اور دیوبندی مکاتب فکر کی متفق علیہ شخصیت شاہ اسماعیل (1831-1879) لکھتے ہیں:

1۔ علم میں شرک

پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالی بحیثیت علم ہر جگہ حاضر و ناظر ہے یعنی اس کا علم ہر چیز کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر چیز سے ہر

وقت باخبر ہے۔ خواہ وہ چیز دور ہو یا قریب، پوشیدہ ہو یا ظاہر، آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہو یا سمندروں کی تہہ میں، یہ اللہ ہی کی شان ہے، کسی اور کی یہ شان نہیں۔ اگر کوئی اٹھتے بیٹھتے کسی غیر اللہ کا نام لے یا دور و نزدیک سے اسے پکارے کہ وہ اس کی مصیبت رفع کر دے یا دشمن پر اس کا نام پڑھ کر حملہ کرے یا اس کے نام کا ختم پڑھے یا اس کے نام کا ورد رکھے یا اس کا تصور ذہن میں جمائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جس وقت میں زبان سے اس کا نام لیتا ہوں یا دل میں تصور یا اس کی صورت کا خیال کرتا ہوں یا اس کی قبر کا دھیان کرتا ہوں تو اس کو خبر ہوتی ہے، میری کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں اور مجھ پر جو حالات گزرتے ہیں جیسے بیماری و صحت، فراخی و تنگی، موت و حیات اور غم و مسرت، اس کو ان سب کی ہر وقت خبر رہتی ہے، جو بات میری زبان سے نکلتی ہے، وہ اسے سن لیتا ہے اور میرے دل کے خیالات اور تصورات سے واقف رہتا ہے۔ ان تمام باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ شرک فی العلم ہے یعنی حق تعالی جیسا علم غیر اللہ کے لئے ثابت رکنا۔ بلاشتہ اس عقیدے سے انسان مشرک ہو جاتا ہے، خواہ یہ عقیدہ کسی بڑے سے بڑے انسان کے متعلق رکھے یا مقرب سے مقرب فرشتے کے بارے میں، چاہے اس کا یہ علم ذاتی سمجھا جائے یا اللہ کا عطا کیا ہوا، ہر صورت میں شرکیہ عقیدہ ہے۔

2۔ تصرف میں شرک

کائنات میں ارادے سے تصرف و اختیار کرنا، حکم چلانا، خواہش سے مارنا اور زندہ کرنا، فراخی و تنگی، تندرستی و بیماری، فتح و شکست، اقبال و ادبار[عروج وزوال]، مرادیں برلانا، بلائیں ٹالنا، مشکل میں دستگیری کرنا اور وقت پڑنے پر مدد کرنا، یہ سب کچھ اللہ ہی کی شان ہے، کسی غیر اللہ کی یہ شان نہیں، خواہ وہ کتنا بڑا انسان یا فرشتہ کیوں نہ ہو۔ پھر جو شخص اللہ کے بجائے کسی اور میں ایسا تصرف ثابت کرے، اس سے مرادیں مانگے اور اسی غرض سے اس کے نام کی منت مانے یا قربانی کرے اور مصیبت کے وقت اس کو پکارے کہ وہ اس کی بلائیں ٹال دے، ایسا شخص مشرک ہے اور اس کو شرک فی التصرف کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ کا سا تصرف غیر اللہ میں مان لینا شرک ہے، خواہ وہ ذاتی مانا جائے یا اللہ کا دیا ہوا۔ ہر صورت میں یہ عقیدہ شرکیہ ہے۔

3۔ عبادت میں شرک

اللہ تعالی نے بعض کام اپنی عبادت کے لیے مخصوص فرما دیے ہیں، جن کو عبادات کہا جاتا ہے جیسے سجدہ، رکوع، ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، اللہ کے نام پر خیرات کرنا، اس کے نام کا روزہ رکھنا اور اس کے مقدس گھر کی زیارت کے لئے دور دور سے سفر کر کے آنا اور ایسی ہیئت میں آنا کہ لوگ پہچان جائیں کہ یہ زائرین حرم ہیں۔ راستے میں اللہ ہی کا نام پکارنا، نامعقول باتوں اور شکار سے بچنا، پوری احتیاط سے جا کر اس کے گھر کا طواف کرنا، اس کی طرف سجدہ کرنا، اس کی طرف قربانی کے جانور لے جانا، وہاں منتیں ماننا، کعبہ پر غلاف چڑھانا، کعبہ کی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر دعائیں مانگنا، دین و دنیا کی بھلائیاں طلب کرنا، حجر اسود کو چومنا، کعبہ کی دیوار سے منہ اور چھاتی لگانا، اس کا غلاف پکڑ کر دعائیں مانگنا، اس کے چاروں طرف روشنی کرنا، اس میں خادم بن کر رہنا، جھاڑو دینا، حاجیوں کو پانی پلانا، وضو کے لیے اور غسل کے لئے پانی مہیا کرنا، آب زمزم کو تبرک سمجھ کر پینا، بدن پر ڈالنا، سیر ہو کر پینا، آپس میں تقسیم کرنا، عزیز و اقارب کے لیے لے جانا، اس کے آس پاس کے جنگل کا ادب و احترام کرنا، وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھاس نہ اکھاڑنا، جانور نہ چرانا، یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کے طور پر مسلمانوں کو بتائے ہیں۔

پھر اگر کوئی شخص نبی کو یا ولی کو یا بھوت و پریت کو یا جن و پری کو یا کسی سچی یا جھوٹی قبر کو یا کسی کے تھان یا چلے کو یا کسی کے مکان و نشان کو یا کسی کے تبرک و تابوت کو سجدہ کرے یا رکوع کرے یا اس کے لئے روزہ رکھے یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جائے یا چڑھاوا چڑھائے یا ان کے نام کا جھنڈا لگائے یا جاتے وقت الٹے پاؤں چلے یا قبر کو چومے یا قبروں یا دیگر مقامات کی زیارت کے لیے دور سے سفر کر کے جائے یا وہاں چراغ جلائے اور روشنی کا

انتظام کرے یا ان کی دیواروں پر غلاف چڑھائے یا قبر پر چادر چڑھائے یا مور چھل جھلے یا شامیانہ تانے یا ان کی چوکھٹ کا بوسہ لے یا ہاتھ باندھ کر دعائیں مانگے یا مرادیں مانگے یا مجاور بن کر خدمت کرے یا اس کے آس پاس کے جنگل کا ادب کرے۔ غرض اس قسم کا کوئی کام کرے تو اس نے کھلا شرک کیا، اس کو شرک فی العبادات کہتے ہیں۔

یعنی غیر اللہ کی تعظیم اللہ کی سی کرنا خواہ عقیدہ یہ ہو کہ وہ ذاتی اعتبار سے ان تعظیموں کے لائق ہے یا اللہ ان کی اس طرح تعظیم کرنے سے خوش ہوتا ہے اور اس کی تعظیم کی برکت سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ ہر صورت میں یہ شرکیہ عقیدہ ہے۔

4۔ روز مرہ کے کاموں میں شرک

حق تعالیٰ نے بندوں کو یہ ادب سکھایا ہے کہ دنیوی کاموں میں اللہ کو یاد رکھیں اور اس کی تعظیم بجالائیں تاکہ ایمان بھی سنور جائے اور کاموں میں برکت بھی ہو، جیسے مصیبت کے وقت اللہ کی نذر مان لینا اور مشکل کے وقت اسی کو پکارنا اور کام شروع کرتے وقت برکت کے لئے اسی کا نام لینا۔ اگر اولاد ہو تو اس نعمت کے شکریہ کے لیے اس کے نام پر جانور ذبح کرنا، اولاد کا نام عبد اللہ، عبد الرحمٰن، الٰہی بخش، اللہ دیا، امۃ اللہ اور اللہ دی وغیرہ رکھنا۔ کھیتی کی پیداوار میں تھوڑا سا غلہ اس کے نام کا نکالنا، پھلوں میں سے کچھ پھل اس کے نام کے نکالنا، جانوروں میں سے کچھ جانور اللہ کے نام کے مقرر کرنا اور اسکے نام کے جو جانور بیت اللہ کو لے جائے جائیں، ان کا ادب و احترام بجالانا یعنی نہ ان پر سوار ہونا نہ انہیں لادنا۔ کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں اللہ کے حکم پر چلنا، جن چیزوں کے استعمال کا حکم ہے صرف انہیں استعمال کرنا اور جن کی ممانعت ہے، ان سے باز رہنا۔ دنیا میں گرانی اور ارزانی، صحت و بیماری، فتح و شکست، اقبال و ادبار اور رنج و مسرت جو کچھ بھی پیش آتا ہے سب کو اللہ کے اختیار میں سمجھنا۔ ہر کام کا ارادہ کرتے وقت انشاء اللہ کہنا مثلاً یوں کہنا کہ انشاء اللہ ہم فلاں کام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کو اس عظمت کے ساتھ لینا جس سے اس کی تعظیم نمایاں ہو اور اپنی غلامی کا اظہار ہوتا ہو جیسے یوں کہنا ہمارا مالک، ہمارا خالق، ہمارا معبود وغیرہ۔ اگر کسی موقع پر قسم کھانے کی ضرورت پڑ جائے تو اسی کے نام کی قسم کھانا۔

یہ تمام باتیں اور اسی قسم کی دیگر باتیں اللہ پاک نے اپنی تعظیم ہی کے واسطے مقرر فرمائی ہیں، پھر جو کوئی اسی قسم کی تعظیم غیر اللہ کی کرے، مثلاً کام رکا ہوا ہو یا بگڑ رہا ہو، اس کو چالو کرنے یا سنوارنے کے لئے غیر اللہ کی نذر مان لی جائے، اولاد کا نام عبد النبی، امام بخش، پیر بخش رکھا جائے، کھیت و باغ کی پیداوار میں ان کا حصہ رکھا جائے، جب پھل تیار ہو کر آئیں تو پہلے ان کے نام کا حصہ الگ کر دیا جائے، تب اسے استعمال میں لایا جائے، جانوروں میں ان کے نام کے جانور مقرر کر دیے جائیں، پھر ان کا ادب و احترام بجالایا جائے، پانی سے یا چارے سے انہیں نہ ہٹایا جائے، لکڑی سے یا پتھر سے انہیں نہ مارا جائے اور کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں رسموں کا خیال رکھا جائے کہ فلاں فلاں لوگ فلاں فلاں کھانا نہ کھائیں، فلاں فلاں کپڑا نہ پہنیں، بی بی [فاطمہ رضی اللہ عنہا] کی صحنک [مٹی کا طباق جو سیدہ کی نذر کیا جاتا تھا] مرد نہ کھائیں، لونڈی نہ کھائے اور شوہر والی عورت نہ کھائے، شاہ عبد الحق کا توشہ حقہ پینے والا نہ کھائے۔

دنیا کی بھلائی برائی کو انہی کی طرف منسوب کیا جائے کہ فلاں فلاں ان کی لعنت میں گرفتار ہے، پاگل ہو گیا ہے، فلاں محتاج ہے، انہی کا دھتکارا ہوا ہے اور دیکھو فلاں کو انہوں نے نوازا تھا، آج سعادت و اقبال اس کے پاؤں چوم رہے ہیں، فلاں تارے کی وجہ سے قحط آیا، فلاں کام فلاں ساعت میں، فلاں دن شروع کیا گیا تھا، اس لیے پورا نہ ہوا، یا یہ کہا جائے کہ اگر اللہ اور رسول چاہے گا تو میں آؤں گا یا پیر صاحب کی مرضی ہو گی تو یہ بات ہو گی۔ یا گفتگو میں داتا، بے پرواہ، خداوند خدائیگاں، مالک الملک اور شہنشاہ جیسے الفاظ استعمال کیے جائیں، قسم کی ضرورت پڑ جائے تو نبی یا قرآن کی یا علی رضی اللہ عنہ کی یا امام و پیر کی یا ان کی قبروں یا اپنی جان کی قسم کھائی جائے۔ ان تمام باتوں سے شرک پیدا ہوتا ہے اور اس کو شرک فی

العادت کہتے ہیں، یعنی عام کاموں میں جیسی اللہ کی تعظیم کرنی چاہیے، ویسی غیر اللہ کی تعظیم کی جائے۔[9]

شاہ صاحب کی عبارت کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں ہے۔ اس سے اہل حدیث اور دیوبندی حضرات کی اکثریت کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا ہے۔ یہاں ہم یہ بات عرض کرتے چلیں کہ ان میں سے بعض رسوم بریلوی حضرات کے نزدیک بھی شرک یا کم از کم حرمت کے دائرے میں داخل ہیں جیسے غیر اللہ کو سجدہ کرنا، مخلوق میں سے کسی کے نام کی نذر، مزارات کے گرد کے علاقوں کو حرم قرار دے دینا، غیر اللہ کی قسم کھانا وغیرہ۔ باقی معاملات میں ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ کام اسی وقت شرک ہوں گے جب انہیں متعلقہ بزرگ کا ذاتی کمال سمجھ لیا جائے۔ اگر عقیدہ یہ ہو کہ یہ بزرگ اللہ تعالی کی دی ہوئی طاقت اور اس کی اجازت سے ہمارا کوئی مسئلہ حل کرتے ہیں تو یہ شرک نہ ہو گا۔ بعض بریلوی حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ یہ بزرگ صرف اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں جس سے اللہ تعالی ہمارا مسئلہ حل کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ محض دعا کی درخواست کرتے ہیں، جو کہ شرک نہیں ہے۔

درمیانی نقطہ نظر

بریلوی حضرات اور شاہ اسماعیل کے نظریات کے درمیان بھی ایک نقطہ نظر ہے جو بعض ماورائے مسلک حضرات نے پیش کیا ہے۔ اس نقطہ نظر کے مطابق شاہ صاحب نے جو کام شرک فی العبادات اور شرک فی العادت کے تحت بیان کی ہیں، یہ سب اس وقت شرک ہیں جب ان کے کرنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ جن بزرگ کے لیے وہ یہ اعمال انجام دے رہا ہے، کسی درجے میں اللہ تعالی کی قدرت میں شریک ہیں۔ اگر اس کا عقیدہ یہ نہ ہو تو پھر یہ اعمال شرک نہیں ہیں البتہ بدعت، دین میں اضافہ اور شرک کا وسیلہ ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔

مثال کے طور پر بزرگان دین کے لیے نذر و نیاز کا مسئلہ لیجیے۔ شاہ صاحب اسے شرک قرار دیتے ہیں کیونکہ نذر و نیاز عبادت ہے اور صرف اللہ تعالی کے ہو سکتی ہے۔ بریلوی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ وہ نذر و نیاز کو بطور عبادت سر انجام نہیں دیتے ہیں بلکہ وہ اس عمل کو اللہ تعالی ہی کے لیے انجام دیتے ہیں مگر اس کا ایصال ثواب متعلقہ بزرگ کو کر دیتے ہیں۔ جیسے لاہور میں حضرت علی ہجویری کے مزار پر جو دیگیں پکائی جاتی ہیں، ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا ہے کہ یہ دیگیں ان بزرگ ہی کی نذر کے لیے پکائی جا رہی ہیں اور ان سے ان کا تقرب مقصود ہے۔ ان دیگوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غرباء انہیں کھائیں گے تو اس سے ثواب ہو گا۔ اس ثواب کو حضرت علی ہجویری کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر دیا جائے گا۔ اس بنیاد پر ماورائے مسلک حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ایسا کر کے بریلوی حضرات شرک نہیں کر رہے تاہم ان کا یہ عمل بدعت کے زمرے میں آتا ہے۔ اس درمیانی نقطہ نظر کو بعض سلفی علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔

اگلے ابواب میں ہم ان مسائل سے متعلق سبھی فریقوں کے دلائل کا جائزہ لیں گے۔

اسائنمنٹس

1. سنی بریلوی، سنی دیوبندی اور اہل حدیث حضرات کے ہاں شرک کی کیا تعریف ہے؟ کیا یہ مسالک شرک کی تعریف پر متفق ہیں یا اس سے متعلق ان کے ہاں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے؟
2. وہ امور بیان کیجیے جن میں بریلوی اور اہل حدیث کا شرک ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں اپنا نقطہ نظر بھی بیان کیجیے۔
3. کیا شرک کرنے کے لئے شرک کرنے کی نیت کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اس معاملے میں تینوں فریقوں کا نقطہ نظر بیان کیجیے۔
4. حاضر وناظر کی تعریف کیجیے اور اس سے متعلق فریقین کا نقطہ نظر بیان کیجیے۔

تعمیر شخصیت
اپنی شخصیت میں اللہ تعالی کی محبت پیدا کیجیے۔ غور کیجیے کہ اللہ تعالی نے ہوا، پانی، خوراک کس قدر نعمتیں ہمیں عطا کی ہیں۔ اس سے اللہ تعالی کی محبت میں اضافہ ہو گا۔

[1] احمد یار خان نعیمی۔ جاء الحق۔ آن لائن ورژن۔ علم غیب کی بحث۔ ص10 (ac. 7 Jan 2011) www.alahazratnetwork.org

[2] حوالہ بالا۔ ص12

[3] حوالہ بالا۔ حاضر وناظر کی بحث۔ ص67

[4] محمد کرم شاہ الازہری۔ تفسیر آیت 1:4۔ تفسیر ضیاء القرآن۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ (ac. 3 Oct 2011) www.nafseislam.com

[5] احمد رضا خان بریلوی۔ فتاوی افریقہ۔ فتوی: عورتوں کا مزارات پر جانا۔ ص67۔ فیصل آباد: مکتبہ نوریہ رضویہ۔ (ac. 14 Oct 2011) www.nafseislam.com

[6] حوالہ بالا۔ ص68

[7] احمد رضا خان بریلوی۔ زبدة الزكية في تحريم سجود التحية (عربی)۔ القسم الثاني في أن تقبيل الأرض حرام. ص49۔ گجرات: مرکز اہل السنت۔ www.al-mostafa.com (ac. 14 Oct 2011)

[8] احمد یار خان نعیمی۔ حوالہ بالا۔

[9] شاہ اسماعیل۔ تقویۃ الایمان۔ باب: شرک کی قسمیں۔ ص47۔ ریاض: مکتب تعاون برائے دعوت وتوعیۃ (2006)۔ (ac. 8 Sep 2009) www.islamhouse.com

باب 3: مسئلہ علم غیب

اس باب میں ہم مسئلہ علم غیب کو لے کر فریقین کے دلائل کا مطالعہ کریں گے اور یہ دیکھیں گے کہ ایک فریق جو دلائل پیش کرتا ہے، دوسرا فریق انہیں کس نظر سے دیکھتا ہے۔

سنی بریلوی حضرات کے دلائل

یہاں ہم وہ دلائل پیش کر رہے ہیں جو سنی بریلوی عالم مفتی احمد یار خان نعیمی (1906-1971) نے اپنے نقطہ نظر کے حق میں اپنی کتاب "جاء الحق" میں پیش کیے ہیں۔ تفصیل کے لیے "علم غیب کی بحث" کو دیکھا جا سکتا ہے۔

آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا علم

قرآن مجید میں ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلائِكَةِ.

"اس (اللہ) نے آدم کو ہر ایک کا نام سکھا دیا، پھر انہیں ملائکہ کے سامنے پیش فرمایا۔" (البقرۃ 2:31)

مفتی صاحب اس آیت میں تفسیر میں قرون وسطی کی بعض تفاسیر ، تفسیر مدارک، خازن، ابو السعود، روح البیان اور تفسیر کبیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں جن اشیاء کا ذکر ہے، ان میں دنیا کی ہر چیز کا نام اور اس کی خصوصیات کا علم تھا۔ اسی کا نام "علم ماکان ومایکون" ہے یعنی ماضی میں جو کچھ تھا، حال میں جو کچھ ہے اور مستقبل میں جو کچھ ہو گا، اس سب کا علم۔ جب سیدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو اس درجے کا علم دیا گیا تو پھر افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم تو کہیں زیادہ ہوں گے۔

اس کے جواب میں سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ آیت کریمہ میں یہ بیان نہیں کیا گیا ہے کہ اس میں کن اشیاء کا ذکر ہے۔ یہ مفسرین کی اپنی قیاس آرائیاں ہیں۔ سابقہ مفسرین نے یہ جو کہا ہے کہ جن اشیاء کا ذکر ہے، ان میں دنیا کی ہر چیز کے نام کا علم ہے تو یہ علم غیب نہیں ہے کیونکہ علم غیب کی تعریف یہی ہے کہ وہ علم جو حواس خمسہ اور عقل سے حاصل نہ ہو سکے۔ رہی بات اللہ تعالی کی جانب سے اپنے پیغمبر کو علم سکھانے کی تو اس کا انکار ہم بھی نہیں کرتے ہیں۔ سلفی حضرات کا کہنا یہ بھی ہے کہ سابقہ مفسرین کی کوئی بات حجت نہیں ہے۔ انہوں نے جو کچھ کہا، وہ ان کا اپنا نقطہ نظر تھا۔ قرآن کی وہی تفسیر معتبر ہے جو کسی صحیح حدیث یا کسی صحابی کے ثابت شدہ قول پر مبنی ہو۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے، وہ مفسرین کی اپنی رائے ہے جو کہ صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت

قرآن مجید کی آیۃ الکرسی میں ہے:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلاَّ بِمَا شَاءَ.

"کون ہے جو اس [اللہ] کے ہاں بغیر اجازت شفاعت کرے، وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اس کے علم میں سے وہ کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو وہ خود چاہے۔" (البقرۃ 2:255)

مفتی نعیمی صاحب تفسیر روح البیان اور تفسیر نیشاپوری کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہاں یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ یعنی "وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علم غیب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس آیت "وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہیں بلکہ اللہ تعالی کا ذکر ہے کیونکہ آیت کے سیاق و سباق میں اللہ تعالی ہی کے علم و قدرت کی بات چل رہی ہے۔ پوری آیت الکرسی کو پڑھتے جائیے تو سامنے ہے کہ آیت کا موضوع اللہ تعالی کا علم و قدرت ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بزرگان دین کا علم۔

اللَّهُ لا إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلاَّ بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ وَلا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ.

"اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور قائم ہے، نہ تو اسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے، اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس [اللہ] کے ہاں بغیر اجازت شفاعت کرے، وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اس کے علم میں سے وہ کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو وہ خود چاہے۔ اس کی کرسی [عرش یا اقتدار کا مرکز] آسمانوں اور زمین سے وسیع ہے۔ اس کے لیے ان کی حفاظت مشکل نہیں ہے اور وہ بڑا بلند اور عظمت والا ہے۔" (البقرۃ 2:255)

رہی سابقہ مفسرین کی آراء تو وہ دوسرے فریق کے نزدیک حجت نہیں ہیں کیونکہ یہ ان کی اپنی آراء ہیں جن کی کوئی بنیاد قرآن یا حدیث میں نہیں ملتی ہے۔

اللہ تعالی کا رسولوں کو علم غیب عطا کرنا

قرآن مجید میں ہے:

وَمَاكَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ.

"[اے لوگو!] اللہ کی شان نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی اطلاع دے، لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے، انتخاب کر کے [انہیں غیب کا علم دیتا ہے۔]" (آل عمران 3:179)

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ.

"[اے نبی!] اس نے آپ کو وہ کچھ سکھا دیا جو کہ آپ نہ جانتے تھے۔" (النساء 4:113)

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ.

"ہم نے اس کتاب میں کوئی بھی چیز نہیں چھوڑی ہے۔" (الانعام 6:33)

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ.

"وہ [نبی] غیب بتانے میں بخل سے کام نہیں لیتے ہیں۔" (التکویر 81:24)

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْماً.

"ہم نے انہیں [خضر علیہ السلام کو] اپنی جانب سے علم عطا کیا تھا۔" (الکہف 18:65)

مفتی نعیمی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم سکھایا تو آپ کو علوم غیبیہ حاصل ہو گئے۔ قرآن میں چونکہ ہر چیز کا بیان ہے، اس وجہ سے آپ کو ہر چیز کا علم ہوا۔ جیسے حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالی نے علم لدنی (یعنی اپنی جانب سے) علم سکھایا تھا، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے کہیں زیادہ علم لدنی عطا ہوا اور یہ علم آپ سے اولیائے کاملین کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ وہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالی غیب کے کچھ علوم اپنے پیغمبروں کو عطا کرتا ہے، جیسا کہ اوپر بیان کردہ آیات سے واضح ہے۔ اس سے یہ کہیں نہیں نکلتا کہ وہ حاضر و ناظر ہوں اور انہیں ہر بات کا علم ہو جائے۔ انہیں انہی باتوں کا علم ہوتا ہے جو اللہ تعالی انہیں عطا کر دیتا ہے۔ یہ علوم غیبیہ عام طور پر آخرت سے متعلق امور پر مشتمل ہوتے ہیں اور اوپر بیان کردہ آیات ہی سے واضح ہے کہ پیغمبر کو یہ علوم امت کو بتانے کے لیے دیے جاتے ہیں اور وہ اس غیب کی اطلاع انہیں دینے میں بخیل نہیں ہوتے ہیں۔

حدیث سے دلائل

سنی بریلوی حضرات صحیح بخاری کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

وروى عيسى، عن رقبة، عن قيس بن مسلم، عن طارق بن شهاب قال: سمعت عمر رضي الله عنه يقول: قام فينا النبي صلى الله عليه وسلم مقاما، فأخبرنا عن بدء الخلق حتى دخل أهل الجنة منازلهم وأهل النار منازلهم، حفظ ذلك من حفظه ونسيه من نسيه.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور ہمیں تخلیق کے آغاز سے لے کر معلومات فراہم کرنا شروع کیں [اور بیان فرماتے گئے یہاں تک کہ] اہل جنت کے اپنے مقام میں داخل ہونے اور اہل جہنم کے اپنے مقام میں داخل ہونے کو بیان فرما دیا۔ جس نے ان واقعات کو یاد رکھا، اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا، سو وہ بھول گیا۔ (بخاری، کتاب بدء الخلق، حدیث 3020)

حدثنا موسى بن مسعود: حدثنا سفيان، عن الأعمش، عن أبي وائل، عن حذيفة رضي الله عنه قال: لقد خطبنا النبي صلى الله عليه وسلم خطبة، ما ترك فيها شيئاً إلى قيام الساعة إلا ذكره، علمه من علمه وجهله من جهله، إن كنت لأرى الشيء قد نسيت، فأعرفه كما يعرف الرجل الرجل إذا غاب عنه فرآه فعرفه.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ دیا۔ اس میں آپ نے قیامت قائم ہونے تک کوئی چیز نہ چھوڑی مگر یہ کہ اس کا ذکر کر دیا۔ جس نے اس کا علم رکھا، وہ عالم ہو گیا اور جو اس سے جاہل رہا، وہ جاہل رہا۔ جب میں اس میں کوئی ایسی چیز دیکھتا ہوں جسے میں بھول چکا ہوں تو میں اسے اس طرح پہچان لیتا ہوں جیسے کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے تو ملنے پر اسے فوراً پہچان لیتا ہے۔ (بخاری، کتاب القدر، حدیث 6230)

حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج حين زاغت الشمس، فصلى الظهر، فقام على المنبر فذكر الساعة، فذكر أن فيها أمورا عظاما، ثم قال: (من أحب أن يسأل عن شيء فليسأل، فلا تسألوني عن شيء إلا أخبرتكم، ما دمت في مقامي هذا). فأكثر الناس في البكاء، وأكثر أن يقول: (سلوني). فقام عبد الله بن حذافة السهمي فقال: من أبي؟ قال: (أبوك حذافة). ثم أكثر أن يقول: (سلوني). فبرك عمر على ركبتيه فقال: رضينا بالله ربا، وبالإسلام دينا، وبمحمد نبيا، فسكت. ثم قال: (عرضت علي الجنة والنار آنفا، في عرض هذا الحائط، فلم أر كالخير والشر)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت [گھر سے باہر] نکلے جب سورج کچھ ڈھل گیا تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور آپ نے قیامت کا ذکر فرمایا۔ آپ نے اس میں بڑے بڑے معاملات پر گفتگو فرمائی۔ پھر فرمایا: "تم میں سے جو کوئی کچھ پوچھنا چاہے تو وہ پوچھ لے۔ تم جو بھی پوچھو گے، میں تمہیں اس کی خبر دوں گا، جب تک کہ میں اس مقام پر کھڑا ہوں۔ اکثر لوگ رونے لگے۔ آپ یہ فرماتے رہے، "مجھ سے پوچھو۔" عبداللہ بن حذافہ السہمی [ان کے والد کا نام اس وقت نامعلوم تھا، جس سے یہ پریشان رہتے تھے] کھڑے ہوئے اور پوچھا: "میرے والد کون ہیں؟" فرمایا: "تمہارے والد حذافہ ہیں۔" پھر فرماتے رہے، "مجھ سے پوچھو۔" عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور عرض کیا: "ہم اللہ سے بطور رب، اسلام سے بطور دین اور محمد سے بطور نبی راضی ہیں۔" تو آپ خاموش ہو گئے اور فرمایا: "ابھی ابھی میرے سامنے جنت و جہنم اس دیوار کے کونے پر پیش کی گئی تھیں۔ میں نے ایسی اچھی اور بری چیزیں نہیں دیکھیں۔" (بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، حدیث 515)

ان احادیث کے علاوہ مفتی صاحب نے متعدد ایسی احادیث پیش کی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم غیبیہ جیسے مستقبل کے بارے میں خبر دینے کا بیان ہے۔ ان میں وہ حدیث بھی ہے جس میں آپ نے قیامت کی علامات بیان فرمائیں اور وہ بھی ہے جس میں آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خیبر میں فتح کی پیش گوئی فرمائی۔ مفتی صاحب ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر بات کا علم ہے۔ حدیث میں **ما ترك فيها شيئاً إلى قيام الساعة إلا ذكره** یعنی "آپ نے قیامت تک کی کوئی ایسی چیز ترک نہ کی جس کا ذکر نہ فرمایا ہو" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو روز قیامت تک ہر ہر چیز کا علم تھا۔ اسی کو وہ "علم ماکان ومایکون" کہتے ہیں یعنی ہر اس چیز کا علم جو پہلے تھی، اب ہے اور مستقبل میں ہو گی۔

سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ وہ ان تمام احادیث کو مانتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علوم غیبیہ کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ وہ امور تھے، جن کا اللہ تعالی نے آپ کو علم دیا اور آپ نے امت کو ان کی خبر دے دی کیونکہ آپ غیب بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کو ہر ہر شخص اور ہر ہر چیز کے حالات کا علم ہو۔ حدیث کے جو الفاظ ہیں، یہ عربی زبان کا ایک خاص اسلوب ہے جو دوسری زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ انسان عام طور پر سائنس یا منطق کی زبان میں گفتگو نہیں کرتا۔ ہم اگر کسی مخصوص موضوع پر تفصیلی گفتگو بات کریں اور اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیں تو اردو میں بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ "میں نے تو ہر ہر بات کو کھول کر بیان کر دیا۔" اس جملے کا کبھی یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں نے پوری کائنات کی ہر ہر بات کو کھول کر بیان کر دیا بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم نے زیر بحث مسئلے کے ہر (یا اکثر) پہلوؤں پر گفتگو کر دی ہے۔ حدیث کے الفاظ راوی کے ہیں جنہوں نے اسی اسلوب میں گفتگو کی ہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا درست نہیں ہے کہ آپ کو ہر ہر بات کا علم ہے۔

ان دلائل کے علاوہ مفتی صاحب نے علم غیب سے متعلق قدیم علماء اور بعض علمائے دیوبند کے کچھ اقوال پیش کیے ہیں۔ چونکہ یہ اقوال وآراء سب فریقوں کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہیں، اس لیے ہم یہاں انہیں نظر انداز کرتے ہیں۔

مسئلہ علم غیب میں سلفی حضرات کے دلائل

اہل حدیث اور اکثر سنی دیوبندی حضرات اپنے نقطہ نظر کی بنیاد قرآن مجید کی آیات اور کچھ احادیث پر رکھتے ہیں۔ چونکہ ہم ان دلائل کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کر رہے ہیں، اس لیے اپنی رائے پیش کیے بغیر یہاں ہم ان دلائل کو پیش کریں گے اور دیکھیں گے کہ سنی بریلوی حضرات انہیں کس نظر سے دیکھتے ہیں:

قرآن مجید میں علم غیب کی نفی

اہل حدیث اور اکثر دیوبندی حضرات اپنے نقطہ نظر کی تائید میں یہ آیات پیش کرتے ہیں:

قُلْ لا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلاَّ مَا يُوحَى إِلَيَّ.

"آپ فرمائیے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری جانب وحی کیا جاتا ہے۔" (الانعام6:50)

يَسْأَلُونَكَ عَنْ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلاَّ هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ لا تَأْتِيكُمْ إِلاَّ بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ. قُلْ لا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعاً وَلا ضَرّاً إِلاَّ مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لاسْتَكْثَرْتُ مِنْ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِي السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلاَّ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ.

"آپ سے قیامت کے متعلق وہ سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ آپ فرمائیے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے۔ اسے اپنے وقت پر وہی ظاہر کرے گا۔ آسمانوں اور زمین پر وہ بڑا سخت وقت ہو گا۔ وہ تمہارے پاس اچانک آجائے گی۔ یہ تو آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا کہ آپ نے اس کے بارے میں تحقیق کر رکھی ہے۔ آپ فرمائیے کہ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔"

آپ فرمائیے کہ میں اپنی جان کے لیے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں سوائے اتنے کے جو اللہ چاہے۔ اگر میں غیب جانتا تو اپنے لیے بڑے فائدے اکٹھے کر لیتا اور مجھے برائی چھو کر بھی نہ گزرتی۔ میں تو بس ایمان لانے والی قوم کے لئے ایک خبر دار کرنے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔" (الاعراف7:187-188)

يَسْأَلُونَكَ عَنْ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا؟ فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا.

"یہ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ اس کے ذکر سے آپ کا کیا تعلق؟ (النازعات79:42-43)

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعاً مِنْ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلاَّ مَا يُوحَى إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلاَّ نَذِيرٌ مُبِينٌ.

"آپ فرمائیے: میں کوئی نیا رسول تو نہیں ہوں اور مجھے یہ علم نہیں ہے کہ میرے یا تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو کہ میری جانب وحی کیا جاتا ہے۔ میں تو بس ایک واضح طور پر خبر دار کرنے والا ہوں۔" (الاحقاف46:9)

اہل حدیث اور سنی دیوبندی حضرات کے نزدیک ان آیات سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں۔ اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جتنا علم غیب دیا، بس آپ وہی جانتے ہیں۔

سنی بریلوی حضرات کی نمائندگی کرتے ہوئے مفتی نعیمی صاحب ان آیات کے بارے میں تین باتیں کہتے ہیں:

1۔ ان آیات میں ذاتی علم غیب کی نفی ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالی کی عطا سے جانتے ہیں، خود نہیں جانتے۔

2۔ ان آیات میں اس وقت کی نفی ہے، جب یہ آیات نازل ہوئیں۔ وقت کے ساتھ اللہ تعالی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم دیتا گیا جو کہ آپ کی وفات سے پہلے مکمل ہو گیا۔

3۔ ان آیات اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عجز و انکسار کی تعلیم دی گئی ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ میں علم غیب نہیں رکھتا یا

میں اپنے نفع ونقصان کا مالک ہوں، حقیقت نہیں بلکہ محض عاجزی ہے۔

حدیث میں علم غیب کی نفی

اہل حدیث اور اکثر دیوبندی حضرات اپنے نقطہ نظر کی تائید میں یہ احادیث پیش کرتے ہیں:

حدثنا محمد بن يوسف قال: حدثنا سفيان، عن عبد الله بن دينار، عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (مفتاح الغيب خمس لا يعلمها إلا الله: لا يعلم أحد ما يكون في غد، ولا يعلم أحد ما يكون في الأرحام، ولا تعلم نفس ماذا تكسب غدا، وما تدري نفس بأي أرض تموت، وما يدري أحد متى يجيء المطر).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جن کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ کل کیا ہو گا، نہ ہی کوئی یہ جانتا ہے کہ ماں کے پیٹوں میں کیا ہے، نہ ہی کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا، نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کس زمین پر مرے گا اور نہ ہی کوئی یہ جانتا ہے کہ بارش کب ہو گی۔ (بخاری، کتاب الاستسقاء، حدیث 992)

حدثنا علي: حدثنا بشر بن المفضل: حدثنا خالد بن ذكوان، عن الربيع بنت معوذ قالت: دخل علي النبي صلى الله عليه وسلم غداة بني علي، فجلس على فراشي كمجلسك مني، وجويريات يضربن بالدف، يندبن من قتل من آبائهن يوم بدر، حتى قالت جارية: وفينا نبي يعلم ما في غد، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: (لا تقولي هكذا، وقولي ما كنت تقولين)

سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی علی کی صبح میرے گھر تشریف لائے اور میرے بستر پر تشریف فرما ہوئے جیسا کہ تم لوگ میری مجلس میں بیٹھے ہو۔ بچیاں دف بجا کر گانے لگیں جس میں جنگ بدر میں شہید ہونے والے ان کے آباء کی تعریف تھی۔ ایک لڑکی کہنے لگی: "ہم میں وہ نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ مت کہو، وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔" (بخاری، کتاب المغازی، حدیث 3779)

اہل حدیث اور اکثر دیوبندی حضرات کے نزدیک یہ احادیث قرآن مجید کی آیات کے ساتھ مل کر واضح کر دیتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے علم غیب کی نفی فرمائی ہے۔ بریلوی حضرات احادیث کے ضمن میں بھی وہی تین باتیں کہتے ہیں جو اوپر بیان ہوئی کہ یہ یا تو ذاتی علم غیب کی نفی ہے یا پھر آپ نے بطور عجز و انکسار ایسا فرمایا یا پھر یہ کہ اس وقت آپ کو علم نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے بعد میں آپ کے علوم غیبیہ کی تکمیل فرما دی۔

مسئلہ علم غیب میں درمیانی نقطہ نظر

یہ نقطہ نظر بعض ماورائے مسلک مسلم علماء، جو تینوں میں سے کسی مسلک سے تعلق نہیں رکھتے، نے پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ مسئلہ علم غیب میں بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث حضرات کا نقطہ نظر اصولی طور پر کم و بیش یکساں ہے۔ یہ سب مانتے ہیں کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہ اپنے علوم میں سے کچھ اپنے پیغمبروں کو عطا کر دیتا ہے۔ اختلاف رائے بعض خاص امور کے بارے میں ہے کہ

ان میں اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم دیا یا نہیں۔

سنی بریلوی حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیاء اللہ کے لیے تمام علوم غیبیہ کے علم کا دعوی نہیں کرتے بلکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ بعض علوم تھے اور انہیں اللہ تعالی کے علوم سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

ہمارا یہ دعوی ہر گز نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم شریف اللہ تعالی کے تمام علوم کا احاطہ کر لیتا ہے۔ یہ تو مخلوق کے لیے محال ہے۔۔۔۔ہم عطاء الہی سے بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع علوم۔(الدولۃ المکیۃ)

کسی علم کی حضرت[اللہ]عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے:

اول: علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطاء غیر ہو۔

دوم: علم کا غنا کہ کسی آلہ جارحہ و تدبیر فکر و نظر والتفات وانفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔

سوم: علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔

چہارم: علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔

پنجم: علم کا اثبات واستمرار[ہمیشہ ایک سا رہنا] کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر، تبدل، فرق اور تفاوت کا امکان نہ ہو۔

ششم: علم کا اقصی غایت کمال[سب سے بلند درجہ کمال] پر ہونا کہ معلوم کی ذات، ذاتیات، اعراض، احوال لازمہ، مفارقہ، ذاتیہ، اضافیہ، ماضیہ، آتیہ[مستقبل کا]، موجودہ، ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔

ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے مطلقاً منفی، یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم ہو جو ان چھ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو، حاصل ہونا ممکن نہیں ہے جو کسی غیر الہی کے لیے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرے کا ایسا علم ثابت کرے، یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔(الصمصام)

میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اولین وآخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الہی سے وہ نسبت ہر گز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصہ کو سمندر سے ہے، کیونکہ یہ نسبت متناہی[جس کی گنتی ہو سکے] کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر متناہی کی متناہی سے ہے۔ (ملفوظات اعلی حضرت)[1]

اسی طرح اہل حدیث اور دیوبندی حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علم غیب کی مطلقاً نفی نہیں کرتے بلکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ آپ کو جو علوم دیے گئے، بس آپ انہی کو جانتے ہیں۔ اس طریقے سے دیکھا جائے تو عملاً دونوں فریق ایک ہی بات کہہ رہے ہیں۔ ان کے مابین اختلاف اس پر ہے آپ کو کس بات کا علم تھا اور کس بات کا علم نہیں تھا۔

ماورائے مسلک حضرات کا کہنا یہ ہے کہ رسولوں کو علوم غیبیہ عطا کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اس بات کا تعین کرنے کی بجائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس بات کا علم تھا اور کس بات کا علم نہیں تھا، ہمیں یہ کرنا چاہیے اس معاملے میں خاموش رہیں اور

اس میں بحث نہ کریں۔ اس بات پر ہمیں اجمالی طور پر ایمان رکھنا چاہیے کہ آپ کو اللہ تعالی نے جو بتا دیا، اس کا علم ہے اور جو کچھ نہیں بتایا، اس کا علم نہیں ہے۔ آپ کے علوم کا تعین وہی کر سکتا ہے جو آپ سے بلند مقام پر ہو اور وہ سوائے اللہ تعالی کے اور کوئی نہیں ہے۔ ہمارے لیے آپ کے علوم پر بحث کرنا ایک لاحاصل کام ہے جس کا کوئی نتیجہ بر آمد نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ معاملہ صرف اللہ تعالی کے پیغمبروں کا ہے، رہے بزرگان دین اور اولیاء اللہ کو علوم غیبیہ کا حاصل ہونا، ان کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اسائنمنٹس

1. غیب کے علم سے کیا مراد ہے؟
2. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن و حدیث میں یہ اقرار کہ میں غیب کی باتیں نہیں جانتا، کیا کسر نفسی اور عجز و انکسار ہے؟ اس معاملے میں فریقین کا نقطہ نظر کیا ہے؟
3. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم ہونے کے بارے میں سنی بریلوی حضرات کیا دلائل پیش کرتے ہیں؟ ان دلائل پر بحث کر کے اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔
4. دیوبندی اور اہل حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کس حد تک غیبی علوم مانتے ہیں؟

تعمیر شخصیت

اپنی شخصیت میں اللہ تعالی کی محبت پیدا کیجیے۔ غور کیجیے کہ اللہ تعالی نے ہوا، پانی، خوراک کس قدر نعمتیں ہمیں عطا کی ہیں۔ اس سے اللہ تعالی کی محبت میں اضافہ ہو گا۔

---

[1] محمد ابو الخیر قریشی اسدی۔ فتاوی اعلی حضرت۔ ص 10-9۔ کراچی: پاک اکیڈمی۔ (ac. 13 Oct 2011) www.ahlehaq.org

باب 4: مسئلہ حاضر وناظر

جیسا کہ ہم پچھلے ابواب میں بیان کر چکے ہیں کہ سنی بریلوی حضرات کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء اللہ ہر جگہ حاضر وناظر ہوتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی قبر یا جنت میں اپنے مقام پر رہتے ہوئے دنیا کو دیکھتے ہیں اور اس میں تصرف کر سکتے ہیں اور پوری کائنات میں اپنے پیروکاروں اور عقیدت مندوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس اہل حدیث اور سنی دیوبندی حضرات کے نزدیک صرف اور صرف اللہ تعالی حاضر وناظر ہے اور کسی مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا شرک ہے۔

سنی بریلوی حضرات کے دلائل

مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب نے "جاء الحق" اپنے نقطہ نظر کے حق میں یہ دلائل پیش کیے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی

قرآن مجید میں ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً.

"اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ۔" (البقرۃ2:143)

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلاءِ شَهِيداً.

"تو وہ کیا معاملہ ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کر دیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔" (النسا4:41)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً.

"اے نبی! ہم نے آپ کو بطور گواہ، خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بھیجا ہے۔" (الاحزاب33:45)

مفتی صاحب تفسیر عزیزی اور تفسیر روح البیان کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہر امتی کے اعمال کے متعلق گواہی دیں گے کہ اس نے نیک عمل کیے یا بد۔ گواہی بغیر دیکھے اور بغیر علم کے نہیں ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے لازم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر وناظر ہوں اور اپنی امت کے اعمال کا مشاہدہ کر رہے ہوں تاکہ آپ ان سے متعلق گواہی دے سکیں۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک آپ کا حاضر وناظر ہونا اور دوسرے علم غیب ہونا۔

دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ ان آیات میں اعمال کی گواہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس بات کی گواہی کا ذکر ہے کہ کائنات کا ایک خدا ہے اور ہم

اس کے سامنے مرنے کے بعد جواب دہ ہوں گے۔ یہ وہ گواہی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے امت کے سامنے پیش فرمایا اور آپ کی امت، جو کہ امت وسط ہے، نے اس گواہی کو پوری دنیا کے سامنے پہنچا دیا۔ آپ کی اولین امت یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو وقت کی دو سپر پاورز کو شکست دے کر ایک اسلامی معاشرے کا عملی نمونہ پیش کر دیا اور اس طرح اس گواہی کو عملاً پوری دنیا کے سامنے واضح کر دیا۔ ایک حدیث کے مطابق جب قیامت کے دن بعض امتیں اس گواہی کا انکار کریں گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کو بطور گواہ کھڑا کر کے اس کی توثیق کروا دی جائے گی کہ انہوں نے اللہ تعالی کا یہ پیغام پہنچا دیا تھا۔ رہا اعمال کی گواہی کا معاملہ تو اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ قرآن مجید سے واضح ہے کہ ہر شخص کے اپنے اعضا اس کے اعمال کی گواہی دے دیں گے۔ جس زمین پر اس نے نیک و بد اعمال سر انجام دیے ہوں گے، وہ گواہی دے دے گی۔

اوپر بیان کردہ آیت کریمہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ یعنی "اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دو۔" کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ امت مسلمہ بھی لوگوں پر گواہ ہے۔ اگر یہاں اعمال کی گواہی کا ذکر ہوتا تو پھر کیا امت مسلمہ کے ہر ہر فرد کو بھی غیب دان اور حاضر و ناظر مان لیا جائے؟ چونکہ ایسا ممکن نہیں ہے، اس وجہ سے یہاں اعمال کی گواہی مراد نہیں ہے۔ اس وجہ سے حاضر و ناظر ہونے کا کوئی معاملہ یہاں زیر بحث نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کے درمیان موجود ہونا

قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ.

"تم میں یقیناً تمہارے اندر سے ایک رسول آئے ہیں، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، وہ تمہارے ایمان کی شدید خواہش رکھتے ہیں اور اہل ایمان پر نرم دل اور مہربان ہیں۔" (التوبہ 9:128)

مفتی صاحب کہتے ہیں کہ اس آیت میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے۔ جس سے واضح ہے کہ آپ امت کے اندر قیامت تک موجود رہیں گے اور ان پر مہربان رہیں گے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنی امت میں حاضر و ناظر ہیں۔

فریق مخالف کے نزدیک اس آیت میں خطاب قیامت تک کے مسلمانوں سے نہیں ہے بلکہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔ وہی ہیں جن کے اندر سے اللہ تعالی نے اپنے رسول کو کھڑا کیا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت کے سیاق و سباق کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کہیں بھی قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب نہیں ہے بلکہ پوری سورت میں ابتدا سے انتہا تک خطاب صحابہ کرام ہی سے ہے۔ یہ آیت سورۃ توبہ کی آخری آیتوں میں سے ہے، اس سے اہل ایمان کو کفار سے جہاد کرنے اور منافقین کے قلبی مرض اور فتنہ میں مبتلا

ہونے کا ذکر ہے۔ اس سے یہ واضح ہے کہ خطاب مخصوص صحابہ سے ہے نہ کہ قیامت تک کے مسلمانوں سے۔ آیت کریمہ کا پورا سیاق و سباق یہ ہے:

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَاناً فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَاناً وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (124) وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْساً إِلَى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ (125) أَوَلا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لا يَتُوبُونَ وَلا هُمْ يَذَّكَّرُونَ (126) وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لا يَفْقَهُونَ (127) لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (128) فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لا إِلَهَ إِلاَّ هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (129)

جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان [منافقین] میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس سورت سے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا؟ جو لوگ [فی الحقیقت] ایمان لائے ہیں، ان کے ایمان میں یہ [سورت] اضافہ ہی کرتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے، تو اس سے ان [کے دلوں کی] گندگی میں مزید نجاست کا اضافہ ہی ہوتا ہے اور وہ مرتے دم تک کافر ہی رہتے ہیں۔ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ یہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔ پھر یہ نہ تو توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی سبق لیتے ہیں۔ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ ایک دوسرے کو [کن اکھیوں سے] دیکھتے ہیں کہ کہیں کوئی انہیں دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ پھر چپکے سے نکل بھاگتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ یہ ناسمجھ قوم ہے۔ تم میں یقیناً تمہارے اندر سے ایک رسول آئے ہیں، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، وہ تمہارے ایمان کی شدید خواہش رکھتے ہیں اور اہل ایمان پر نرم دل اور مہربان ہیں۔ پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو آپ کہیے کہ اللہ میرے لیے کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی پر میں نے توکل کر رہا ہے اور وہ عرش عظیم کا رب ہے۔ (التوبہ)

سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ آیت کریمہ کا سیاق و سباق یہ بتا رہا ہے کہ یہاں عہد رسالت کے مومنین اور منافقین زیر بحث ہیں نہ کہ قیامت تک کے لیے آنے والے مسلمان۔ اس وجہ سے حاضر و ناظر ہونے کا کوئی مسئلہ یہاں پیدا نہیں ہوتا ہے۔

گناہوں سے توبہ کا طریق کار

قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمْ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّاباً رَحِيماً.

"ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جب انہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو وہ آپ کے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت کی دعا کرتے۔ پھر رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کر دیتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان پاتے۔" (النساء4:64)

مفتی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ توبہ کا طریقہ یہی ہے کہ استغفار کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مغفرت کی دعا کروائی جائے۔ اب اگر آپ حاضر و ناظر اور ہمارے حالات سے واقف نہ ہو تو آپ کیسے یہ دعا فرمائیں گے اور ہماری توبہ کیسے قبول ہو گی؟

اگر اس سے مراد آپ کی قبر انور پر حاضر ہو کر مغفرت کی دعا کی درخواست کرنا لیا جائے تو یہ تو ہر مسلمان کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔

سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس آیت کا سیاق و سباق گواہی دیتا ہے کہ یہاں ایک مخصوص معاملہ زیر بحث ہے اور وہ ہے بعض منافقین کا طرز عمل۔ اس آیت سے پچھلی آیات میں منافقین اور ان کی قلبی بیماری کا ذکر ہے۔ متعدد احادیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ بعض منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے اپنے مقدمات کو کعب بن اشرف اور دیگر کفار کے پاس لے جانا شروع کر دیا تھا، جس پر انہیں تنبیہ کی گئی ہے۔ اس سے حاضر و ناظر کا ثبوت نہیں نکلتا ہے۔ آیت کریمہ کا سیاق و سباق یہ ہے:

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلاَّ إِحْسَاناً وَتَوْفِيقاً (62) أُوْلَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلاً بَلِيغاً (63) وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلاَّ لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمْ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّاباً رَحِيماً (64) فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً (65) وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوْ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلاَّ قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْراً لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتاً (66) وَإِذاً لآتَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْراً عَظِيماً (67)

پھر اس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت ان پر آ پڑتی ہے تو یہ آپ کے پاس قسمیں کھاتے چلے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم، ہم تو محض بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، وہ اللہ جانتا ہے۔ آپ ان سے تعرض مت کیجیے، انہیں نصیحت کیجیے اور ان سے دلوں میں اتر جانے والی بات کہیے۔ ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے، اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جب انہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو وہ آپ کے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت کی دعا کرتے۔ پھر رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کر دیتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان پاتے۔ نہیں، آپ کے رب کی قسم! یہ اس وقت تک صاحب ایمان نہ ہوں گے جب تک آپ کو اپنے تمام اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلہ آپ کریں، اس سے اپنے دل میں کوئی حرج محسوس نہ کریں اور سر تسلیم خم کر دیں۔ اگر ہم نے انہیں حکم دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ، تو کم ہی لوگ اس پر عمل کرتے۔ حالانکہ جو نصیحت انہیں کی جا رہی ہے، اگر وہ اس پر عمل کرتے تو یہ ان کے لیے بہتر اور ثابت قدمی کا باعث ہوتا۔ جب یہ ایسا کرتے تو ہم انہیں اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتے۔ (النساء)

سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ آیت کریمہ کے سیاق و سباق سے واضح ہے کہ یہاں زیر بحث عہد رسالت کے منافقین کا معاملہ زیر بحث ہے، نہ کہ قیامت تک کے مسلمانوں کا۔

سنی بریلوی عالم علامہ غلام رسول سعیدی نے اپنی تفسیر "تبیان القرآن" میں اس آیت کے تحت بعض علمائے دیوبند کی عبارتیں نقل کی ہیں جن کے مطابق اس آیت کا حکم اب بھی باقی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور پر حاضر ہو کر آپ سے مغفرت کی دعا کی درخواست کی جا سکتی ہے۔ عام طور پر سنی بریلوی اور سنی دیوبندی حضرات اسی کے قائل ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولیت

قرآن مجید میں ہے:

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ.

"نبی اہل ایمان سے ان کی جان سے زیادہ قریب ہیں۔" (الاحزاب 33:5)

مفتی نعیمی صاحب اس آیت میں قربت سے مراد جسمانی قربت لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان سے اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں، جس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

سلفی حضرات کے نزدیک یہاں قربت سے مراد جسمانی قربت نہیں بلکہ وابستگی اور حق کی قربت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل ایمان کے لیے ان کی جان سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور انہیں اپنی جان سے زیادہ آپ سے وابستہ ہونا چاہیے۔

قبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد

مفتی نعیمی صاحب نے اپنے نقطہ نظر کے حق میں یہ حدیث پیش کی ہے:

حدثنا عياش: حدثنا عبد الأعلى: حدثنا سعيد قال: وقال لي خليفة: حدثنا ابن زريع: حدثنا سعيد، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: العبد إذا وضع في قبره وتولي وذهب أصحابه، حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان فأقعداه، فيقولان له: ما كنت تقول في هذا الرجل محمد صلى الله عليه وسلم؟ فيقول: أشهد أنه عبد الله ورسوله، فيقال: انظر إلى مقعدك في النار، أبدلك الله به مقعدا من الجنة). قال النبي صلى الله عليه وسلم: (فيراهما جميعا، وأما الكافر، أو المنافق: فيقول: لا أدري، كنت أقول ما يقول الناس. فيقال: لا دريت ولا تليت، ثم يضرب بمطرقة من حديد ضربة بين أذنيه، فيصيح صيحة يسمعها من يليه إلا الثقلين.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بندے کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں، پھر اس سے کہتے ہیں: "تم اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا ہو؟" وہ کہتا ہے: "میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اس کے بندے اور رسول ہیں۔" اسے کہا جاتا ہے: "جہنم میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لو [جو اس صورت میں تمہارا مقدر تھا اگر تم ایمان نہ لاتے۔] اللہ نے اسے جنت میں تمہارے ٹھکانے سے بدل دیا ہے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ ان دونوں کو دیکھتا ہے۔ رہا کافر اور منافق تو وہ [سوال کے جواب میں] کہتا ہے: مجھے معلوم نہیں، میں تو وہی کہتا تھا جو دوسرے لوگ کہتے تھے۔" اس سے کہا جاتا ہے کہ نہ تم نے جاننے کی کوشش کی اور نہ جاننے والوں کی پیروی کی۔ پھر اسے لوہے کے گرز سے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے تو وہ ایسے چیختا ہے کہ اس کی آواز کو جنات اور انسانوں کے علاوہ سب سنتے ہیں۔ (بخاری، کتاب الجنائز، حدیث 1273)

مفتی صاحب شارحین حدیث کے حوالے سے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کرتے وقت آپ کی صورت

مبار کہ میت کو دکھائی جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ قبروں میں حاضر وناظر ہیں۔

فریق مخالف کا کہنا یہ ہے کہ اس سے آپ کا حاضر وناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اول تو وہ احادیث ہی محل نظر ہیں جن میں آپ کی صورت مبارکہ کا دکھانا بیان ہوا ہے۔ اوپر بیان کردہ بخاری کی حدیث میں بھی ایسا کچھ بیان نہیں ہوا۔ اگر انہیں صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کی متعدد صورتیں ممکن ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کی صورت مبارکہ کو اللہ تعالی کی کسی قدرت کے تحت دکھا دیا جائے۔ ضروری نہیں کہ آپ بنفس نفیس خود ہر مردے کی قبر میں تشریف لے جائیں۔

جنگ موتہ

جنگ موتہ سے متعلق حدیث میں ہے:

حدثنا يوسف بن يعقوب الصفار: حدثنا إسماعيل بن علية، عن أيوب، عن حميد بن هلال، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: خطب النبي صلى الله عليه وسلم فقال: (أخذ الراية زيد فأصيب، ثم أخذها جعفر فأصيب، ثم أخذها عبد الله بن رواحة فأصيب، ثم أخذها خالد بن الوليد عن غير إمرة ففتح له، وقال ما يسرنا أنهم عندنا). وعيناه تذرفان.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے [جنگ موتہ کے دن] خطبہ دیا اور فرمایا: "جھنڈا زید [بن حارثہ] نے لیا اور وہ شہید ہو گئے، پھر اسے جعفر نے لے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے، پھر اسے عبداللہ بن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ اور اب خالد بن ولید نے بغیر کسی ہدایت کا انتظار کیے جھنڈا لے لیا ہے اور انہیں فتح ہو گئی ہے۔" اور فرمایا: "اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو ہمیں کوئی خاص خوشی نہ ہوتی [کہ وہ شہید ہو کر بہتر جگہ چلے گئے۔]" آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (بخاری، کتاب الجہاد، حدیث 2645)

بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینکڑوں کلومیٹر دور ہونے والی جنگ موتہ کو دیکھ کر اس پر رواں تبصرہ فرمایا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ وہاں حاضر وناظر تھے۔

فریق مخالف کا کہنا یہ ہے کہ یہ نقطہ نظر درست نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے بطور معجزہ آپ کو جنگ موتہ کا حال دکھا دیا۔ معجزہ اللہ تعالی کا براہ راست معاملہ ہوتا ہے جو وہ اپنے پیغمبر کو عطا کر دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ پیغمبر اپنی مرضی سے معجزہ دکھا دیں۔ چنانچہ اور بھی بہت سی جنگیں ایسی تھیں جہاں ہمیں ایسے کسی تبصرے کا سراغ نہیں ملتا۔ خاص کر بئر معونہ کا واقعہ ہے، جس میں کفار دھوکے سے ستر حفاظ صحابہ کو لے گئے اور انہیں شہید کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافی عرصے بعد اس کی خبر ہوئی۔ یہ حدیث بھی بخاری کی اسی کتاب الجہاد میں موجود ہے:

حدثنا محمد بن بشار: حدثنا ابن أبي عدي وسهل بن يوسف، عن سعيد، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم أتاه رعل وذكوان وعصية وبنو لحيان، فزعموا أنهم قد أسلموا، واستمدوه على قومهم، فأمدهم النبي صلى الله عليه وسلم بسبعين من الأنصار، قال أنس: كنا نسميهم القراء، يحطبون بالنهار ويصلون بالليل، فانطلقوا بهم، حتى بلغوا بئر معونة غدروا بهم وقتلوهم، فقنت شهرا يدعو على رعل وذكوان وبني لحيان.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رعل، ذکوان، عصیہ اور بنو لحیان کے کچھ لوگ آئے [اور خود کو مسلمان ظاہر کیا۔ مسلمان] سمجھے کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم [میں دعوت و تبلیغ کے لئے] مدد طلب کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ستر انصار کو بھیج دیا۔ انس کہتے ہیں کہ ہم انہیں "قراء" کہتے تھے۔ یہ لوگ دن میں لکڑیاں جمع کرتے اور رات میں نماز پڑھتے تھے۔ وہ انہیں لے کر چلے گئے۔ جب وہ بئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے ان سے وعدہ خلافی کر کے انہیں شہید کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ تک رعل، ذکوان اور بنو لحیان کے خلاف دعا کرتے رہے۔ (بخاری، کتاب الجہاد، حدیث 2899)

اہل حدیث اور سنی دیوبندی حضرات کہتے ہیں کہ اگر آپ کو علم غیب ہوتا یا آپ حاضر و ناظر ہوتے تو دشمن کے ساتھ یا تو ان صحابہ کو روانہ ہی نہ فرماتے یا پھر پہلے سے بچاؤ کی تدبیر کر لیتے۔

سنی بریلوی حضرات بعض ایسی احادیث بھی پیش کرتے ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا مشاہدہ فرمایا۔ ایک حدیث کے مطابق آپ نے جنت کے درخت کا ایک خوشہ توڑ لینے کا ارادہ فرمایا اور پھر ترک کر دیا۔ فریق مخالف کے نزدیک یہ سب احادیث آپ کے معجزات کو بیان کرتی ہیں اور ان سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔

ساریہ کا واقعہ

اب تک جو دلائل ہم نے یہاں پیش کیے ہیں، ان کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے سے تھا۔ سنی بریلوی حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اولیاء اللہ بھی حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور اپنے مریدین کی مدد فرماتے ہیں۔ اس کے حق میں وہ یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی جانب ایک لشکر بھیجا جس میں ایک تابعی ساریہ رحمہ اللہ کو آپ نے کمانڈر بنایا۔ دوران جنگ وہ دشمن کے نرغے میں آ گئے۔ عین اس وقت سینکڑوں کلومیٹر دور مدینہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "ساریہ! پہاڑ کی جانب۔" ساریہ نے یہ سن لیا اور پہاڑ کی جانب اپنی فوج کو کر کے اس کی جانب پشت کر لی جس سے انہیں فتح حاصل ہو گئی۔ یہ واقعہ مشکوۃ باب الکرامات میں ہے۔ مفتی نعیمی صاحب اس واقعے سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہ کر عراق میں حاضر و ناظر تھے اور انہوں نے وہاں ساریہ کی مدد فرمائی۔

مشہور عرب سلفی عالم علامہ ناصر الدین البانی(1914-1999) نے اس واقعے کی مختلف اسناد کو چیک کر کے اس کی ایک سند کو صحیح اور باقی کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن وہ اس واقعے کو ایک مختلف نظر سے دیکھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ندا مذکور کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عمر رضی اللہ عنہ کو الہام کیا گیا تھا۔ یہ بات عجیب و غریب نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ وہ "محدَّث" [یعنی صاحب الہام] تھے۔ لیکن اس واقعے میں یہ کہیں بیان نہیں کیا گیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو لشکر کا حال دکھا دیا گیا ہو اور وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوں۔ بعض صوفیوں نے اس سے کشف اولیاء پر استدلال کیا ہے اور دل کا حال جاننے کے امکان کو ثابت کیا ہے جو سب سے بڑھ کر باطل بات ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے جبکہ یہ تو صرف رب العالمین کی صفات میں سے ہے جو کہ علم الغیب اور دلوں کا حال جاننے کے معاملے میں منفرد ہے۔ وہ اس زعم باطل پر کیسے گمان کر سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب

میں خود فرمادیا ہے: "غیب کا جاننے والا، وہ اپنے غیبوں پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔" کیا ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ اولیاء رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم ملنے پر غیب پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ وہ اس سے پاک ہے، یہ بڑا بہتان ہے۔

اگر اس بات کو درست بھی مان لیا جائے کہ جو کچھ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا، وہ کشف تھا تو یہ امور خارقہ [وہ معاملات جو عادت کے خلاف ہوں] میں سے ہے جو کہ کسی غیر مسلم کو بھی پیش آسکتے ہیں۔ محض اس کا صادر ہونا ایمان کی دلیل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے علماء کہتے ہیں کہ اگر خارق العادت واقعہ مسلمان سے صادر ہو تو وہ کرامت ہے ورنہ استدراج ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ خوارق واقعات تو دجال اکبر کے ہاتھ پر بھی ظاہر ہوں گے۔۔۔۔

یہ واقعہ غیب پر اطلاع نہیں ہے بلکہ شرع کی اصطلاح میں الہام اور دور جدید کی اصطلاح میں "تخاطر" ہے۔ جس کے ساتھ یہ پیش آئے وہ معصوم نہیں ہوتا اور اس سے غلطی کا صدور ہو سکتا ہے۔ ہر ولی اللہ کے لیے شرعی امور کی پیروی لازم ہے۔[1]

سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اولیاء اللہ سے کرامات کا صدور ممکن ہے لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے اور اس سے ان اولیاء کا حاضر و ناظر ہونا یا عالم الغیب ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اس واقعے کے علاوہ ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جب مسلمانوں کو جنگ میں شدید نقصان اٹھانا پڑا مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس طریقے سے اپنے لشکر کو آواز نہیں دی۔ سیدنا عمر ہی کے دور میں معرکہ جسر میں مسلمانوں کے پر جوش کمانڈر ابو عبید رحمہ اللہ نے اپنے پیچھے دریا کا پل توڑ دیا تاکہ کوئی مسلمان میدان جنگ سے فرار نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ پھر مشہور صحابی کمانڈر حضرت مثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کمان سنبھالی، پل دوبارہ تعمیر کروایا اور بقیہ فوج کو بحفاظت نکال لائے۔ اس واقعے میں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی افواج کی کوئی مدد نہ فرمائی اور نہ انہیں آواز دی۔ اس واقعے پر آپ کو طویل عرصے تک افسوس رہا۔ اگر وہ حاضر و ناظر ہوتے تو اپنی فوج کی اس موقع پر بھی مدد کرتے۔ یہ واقعہ تاریخ کی سبھی کتابوں جیسے طبری وغیرہ میں موجود ہے۔ (دیکھیے 13 ہجری کا باب)

سنی دیوبندی عالم مفتی عبد اللہ صاحب لکھتے ہیں:

یہ خیال رہے کہ بعض اولیاء اللہ کے ہاتھوں جو کرامتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی چیزیں تبدیل ہو جاتی ہیں، ان کا ہمیں انکار نہیں، وہ خدا کی طرف سے ان پر ایک خاص فضل ہوتا ہے اور وہ بھی ان کے بس کا نہیں ہوتا نہ ان کے قبضہ کا ہوتا ہے، نہ وہ کاریگری ہوتی ہے نہ علم۔ وہ محض خدا کے فرمان کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار اور نیکوکار بندوں کے ہاتھوں اپنی مخلوق کو دکھا دیتا ہے۔[2]

اہل حدیث اور سنی دیوبندی حضرات کے دلائل

اہل حدیث اور دیوبندی حضرات کا استدلال سادہ ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے حاضر و ناظر ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی اور مخلوق میں اس صفت کا وجود ماننا شرک ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو حاضر و ناظر ہے، اپنی مخلوق کی پکار سنتا ہے اور اس کی فریاد رسی کرتا ہے۔ وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ اس معاملے میں قرآن مجید کی سینکڑوں آیتیں گواہ ہیں۔ بعض

مثالیں یہ ہیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ.

"ہم نے انسان کو تخلیق کیا اور ہم اس خیال کو جانتے ہیں جو اس کے ذہن میں گزرتا ہے۔ ہم اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔" (ق50:16)

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِي إِذَا دَعَانِي فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ.

"[اے پیغمبر!] جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں [تو انہیں بتا دیجیے کہ] میں قریب ہوں۔ جب پکارنے والا مجھے پکارے تو اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ تو انہیں بھی میری دعوت کا جواب دینا چاہیے اور مجھ پر ایمان لانا چاہیے تا کہ وہ ہدایت پائیں۔" (البقرة 2:186)

قُلْ لا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعاً وَلا ضَرّاً إِلاَّ مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لاسْتَكْثَرْتُ مِنْ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِي السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلاَّ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ.

"[اے نبی!] آپ فرمائیے کہ میں اپنی جان کے لیے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں سوائے اتنے کے جو اللہ چاہے۔ اگر میں غیب جانتا تو اپنے لیے بڑے فائدے اکٹھے کر لیتا اور مجھے برائی چھو کر بھی نہ گزرتی۔ میں تو بس ایمان لانے والی قوم کے لئے ایک خبر دار کرنے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔" (الاعراف7:188)

سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس ضمن میں سنی بریلوی حضرات نے جو دلائل پیش کیے ہیں، وہ چونکہ مضبوط نہیں ہیں اور ان کی مختلف توجیہ کی جا سکتی ہے، اس وجہ سے اس عقیدے کو مانا نہیں جا سکتا ہے۔ ان صفات کا غیر اللہ میں ماننا شرک ہے۔

اس کے برعکس سنی بریلوی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ان تمام آیات میں اللہ تعالی کی ذاتی صفات کا ذکر ہے۔ وہ ان صفات کو اپنی مخلوق میں سے کسی کو دے سکتا ہے اور وہ محدود دائرے میں تصرف کر سکتے ہیں اور یہ بات شرک کے زمرے میں نہیں آتی ہے۔

اسائنمنٹس

1. کیا انبیاء کرام اور اولیاء اللہ زندہ اور حاضر و ناظر ہیں؟ اس سے متعلق فریقین کے دلائل قرآن و سنت اور عقل سے بیان کیجیے۔
2. آپ کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر ماننا کس زمرے میں آتا ہے؟ افضل، مباح، شرک، گناہ۔

3. کیا درود میں یا ایھا النبی کہنا نبی کو حاضر و ناظر ماننا نہیں ہے؟ اسی طرح روضہ انور پر حاضری کے وقت آپ کی خدمت میں سلام پیش کرنا کیا آپ کو حاضر و ناظر ماننا نہیں ہے؟ بحث کیجیے۔
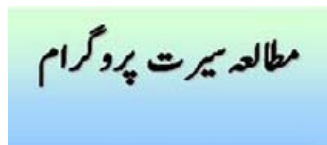
[1] ناصر الدین البانی۔ سلسلة أحاديث الصحيحة، نمبر 1110۔ ریاض: مکتبۃ المعارف۔ www.waqfeya.com (ac. 15 June 2006)

[2] مفتی عبد اللہ۔ دیوبندی بریلوی اختلاف کا حل۔ www.e-iqra.com (ac. 7 Jan 2011)

باب 5: غیر اللہ سے مدد، وسیلہ، حیات النبی اور سماع موتی

جیسا کہ ہم پچھلے ابواب میں بیان کر چکے ہیں کہ سنی بریلوی حضرات کے نزدیک چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء اللہ حاضر و ناظر ہیں، اس وجہ سے ان سے مافوق الاسباب طریقے سے مدد مانگنا جائز بلکہ ایک مستحسن کام ہے۔ سنی بریلوی اور بعض سنی دیوبندی حضرات بھی مزارات پر حاضری دیتے ہیں اور صاحب مزار سے مدد مانگتے ہیں اور ان کی خدمت میں اپنی دعائیں پیش کرتے ہیں۔

اس کے برعکس اہل حدیث اور سنی دیوبندی حضرات کی اکثریت کے نزدیک ایسا کرنا شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ اس باب میں ہم جانبین کے دلائل کا جائزہ لیں گے۔

سنی بریلوی حضرات کے دلائل

مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب (1906-1971) بیان کرتے ہیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے۔

قرآن سے استعانت لغیر اللہ کا ثبوت

انہوں نے قرآن مجید کی متعدد آیات پیش کی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ.

عیسی بن مریم نے اپنے حواریوں سے فرمایا: "اللہ کی راہ میں میرا امدد گار کون ہے؟" حواریوں نے عرض کیا: "ہم اللہ کے مدد گار ہیں۔" (الصف 61:14)

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلا تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.

"نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔" (المائدہ 5:2)

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ.

"جب اللہ نے انبیاء سے میثاق لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس تمہاری تصدیق کرتے ہوئے [آخری] رسول آ جائیں تو تم ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے۔" (آل عمران 3:81)

إِنَّمَا وَلِيُّكُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ.

"یقیناً تمہارا دوست اللہ، اس کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے، زکوۃ دیتے اور رکوع کرتے ہیں۔" (المائدہ 5:55)

مفتی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ ان آیات میں واضح طور پر غیر اللہ سے مدد مانگنے کا حکم یا اجازت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔

اس کے بر عکس فریق مخالف یعنی سلفی حضرات کے نزدیک ان آیات میں جس مدد کا ذکر ہے، وہ اسباب کے تحت ہے جیسے ہم دنیا میں ایک دوسرے کی مدد لیتے ہیں۔ یہ چیز شرک نہیں ہے۔ شرک اس مدد مانگنے میں ہوتا ہے جو اسباب سے ماوراء ہو، جس میں انسان عقیدت میں ڈوب کر کسی ہستی کو پکارے کہ وہ اسباب سے ماوراء ہو کر مانگنے والے کی مدد کرے۔ جیسے ہم اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری مدد فرمائے اور ہمارا کوئی کام کر دے۔ اسی طرح مشرکین اپنے دیوی دیوتاؤں سے اسی انداز میں دعا کرتے ہیں۔ اسی انداز میں دعا اگر اللہ تعالی کی بجائے کسی اور سے کی جائے تو یہ شرک ہو گا کیونکہ اس کے ساتھ مافوق الفطرت طاقتوں کو اس بندے میں ماننا پڑے گا۔

حدیث سے استعانت لغیر اللہ کا ثبوت

سنی بریلوی حضرات مافوق الاسباب طریقے سے غیر اللہ سے مدد مانگنے کے ثبوت میں بعض احادیث بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ احادیث ہم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی کتاب شرح مسلم سے یہاں درج کر رہے ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

عن عتبة بن غزوان عن نبي الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا أضل أحدكم شيئاً أو أراد عوناً وهو بأرض ليس بها أنيس فليقل: يا عباد الله أغيثوني فإن لله عباداً لا نراهم". وقد جرب ذلك. رواه الطبراني ورجاله وثقوا على ضعف في بعضهم إلا أن زيد بن علي لم يدرك عتبة.

سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ مدد کا طالب ہو، اور ایسی جگہ ہو جہاں اس کا کوئی ساتھی نہ ہو تو وہ کہے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ یقیناً اللہ کے ایسے بندے ہوتے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھتے ہیں۔"

اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ طبرانی نے اسے روایت کیا مگر اس کے راویوں میں سے بعض میں ضعف ہے۔ [اس حدیث کے ایک راوی] زید بن علی نے عتبہ سے کبھی ملاقات نہیں کی۔ (مجمع الزوائد، جلد 10، حدیث 17103)

وعن عبد الله بن مسعود أنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا انفلتت دابة أحدكم بأرض فلاة فليناد: يا عباد الله احبسوا، يا عباد الله احبسوا، فإن لله حاصراً في الأرض سيحبسه". رواه أبو يعلى والطبراني، وزاد: "سيحبسه عليكم". وفيه معروف بن حسان وهو ضعيف.

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی سواری کسی ویران زمین میں بھاگ جائے تو وہ کہے: "اے اللہ کے بندو! اسے پکڑو، اے اللہ کے بندو! اسے پکڑو۔ اللہ کے ایسے بندے زمین میں ہیں جو اسے روک لیں گے۔"

ابو یعلی اور طبرانی نے اسے روایت کیا اور طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ "وہ اسے تمہارے لیے روک لیں گے۔" اس حدیث کی سند میں معروف بن حسان ہے جو کہ ایک ضعیف راوی ہے۔ مجمع الزوائد، جلد 10، حدیث 17105)

وعن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن لله ملائكة في الأرض سوى الحفظة يكتبون ما يسقط من ورق الشجر، فإذا أصاب أحدكم عرجة بأرض فلاة فليناد: أعينوا عباد الله". رواه البزار ورجاله ثقات.

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یقیناً زمین میں کراماً کاتبین کے علاوہ اللہ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو بھی ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ جب تم میں سے کسی کو ویران زمین میں مشکل پیش آئے تو وہ کہے، "اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔" بزار نے اسے روایت کیا اور اس کے راوی قابل اعتماد ہیں۔ (مجمع الزوائد، جلد 10، حدیث 17104)

حَدَّثنا موسى بن إسحاق ، قال : حَدَّثنا منجاب بن الحارث ، قال : حَدَّثنا حاتم بن إسماعيل عن أسامة بن زيد عن أَبَان بن صالح عن مجاهد عن ابن عباس ، رَضِي الله عنهما ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : إن لله ملائكة في الأرض سوى الحفظة يكتبون ما سقط من ورق الشجر فإذا أصاب أحدكم عرجة بأرض فلاة فليناد : أعينوا عباد الله. وهذا الكلام لا نعلمه يُرْوَى عَن النبي صلى الله عليه وسلم بهذا اللفظ إلاَّ مِن هذا الوجه بهذا الإسناد.

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یقیناً زمین میں کراماً کاتبین کے علاوہ اللہ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو بھی ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ جب تم میں سے کسی کو ویران زمین میں مشکل پیش آئے تو وہ کہے، "اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔" بزار نے اسے روایت کیا اور اس کے راوی قابل اعتماد ہیں۔

اس کلام کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ یہ ان الفاظ میں اس طریقے سے اس سند کے علاوہ کہیں اور بھی روایت ہوا ہو۔ (مسند بزار، حدیث 4922)

سلفی حضرات کہتے ہیں کہ یہ بات مسلمانوں کے تمام فرقوں میں متفق علیہ ہے کہ عقیدے اور عمل کی بنیاد اس حدیث پر رکھی جائے گی جو صحیح سند کے ساتھ مروی ہو۔ اس حدیث کی دو روایتوں کے بارے میں مجمع الزوائد کے مصنف علی بن ابو بکر الہیثمی نے خود ہی لکھ دیا ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔ تیسری سند جو کہ مسند بزار میں آئی ہے، اس کے بارے میں مصنف نے خود یہ کہہ دیا ہے کہ " اس کلام کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ یہ ان الفاظ میں اس طریقے سے اس سند کے علاوہ کہیں اور بھی روایت ہوا ہو۔ " جب ایسا ہے تو پھر ایسی شاذ حدیث کی بنیاد پر قرآن مجید کی صریح آیات کی خلاف ورزی کیسے کی جائے۔

پھر اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس میں زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جب اسباب منقطع ہو جائیں تو انسان نظر نہ آنے والے فرشتوں سے مدد کی درخواست کر لے۔ ظاہر ہے کہ یہ فرشتے بھی تو اسباب کے تحت ہی مدد کریں گے۔ ان سے مدد کی درخواست میں اور کسی بزرگ کے آگے تضرع اور خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انسان ان فرشتوں سے اسباب کے تحت برابری کی سطح پر مدد کی درخواست کرے گا جبکہ انبیاء و اولیاء سے بہت سے لوگ اس طریقے سے دعا کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی سے کی جاتی ہے۔ دیوبندی عالم مولانا محمد سرفراز خان صفدر (2009-1914) لکھتے ہیں:

اگر ضعیف ہونے کے ساتھ اس حدیث کے الفاظ پر طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں کہ وہاں کچھ خدا تعالی کے بندے حاضر ہوتے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے کچھ فرشتے جنگلات میں رہتے ہیں۔ جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیدا ہو یہ کہا کرو: اعینوا عباد اللہ۔ تو اس روایت سے مافوق الاسباب مدد طلب کرنا ثابت نہ ہوا بلکہ وہاں جو فرشتے موجود ہیں، ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔ [1]

بریلوی حضرات ایک اور تاریخی روایت پیش کرتے ہیں جس میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی سپاہیوں کے بارے میں درج ہے کہ وہ میدان جنگ میں "یا محمداہ" کہہ کر حملہ کیا کرتے تھے۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایۃ)۔ سلفی حضرات کا کہنا ہے کہ اول تو یہ تاریخی روایات حدیث کے معیار پر پورا نہیں اترتیں۔ اگر انہیں صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ عربوں کا عام رواج تھا کہ وہ جذبہ پیدا کرنے کے لئے اپنے محبوب کا نام اس طریقے سے لیا کرتے تھے۔ اس سے ان میں جذباتی ہیجان پیدا ہو جاتا تھا جو جنگ میں مدد دیتا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ یہ صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد کے لیے پکارتے ہوں۔ اس سے استعانت کا ثبوت کہیں نہیں ملتا ہے۔

اس کے علاوہ سنی بریلوی حضرات یہ کہتے ہیں کہ معراج کی رات حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام نے امت محمدیہ کی مدد فرمائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نمازیں کم کروانے کا مشورہ دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعد از وفات بزرگ مدد کر سکتے ہیں۔ سلفی حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مافوق الاسباب مدد کا ثبوت نہیں ملتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام سے آسمانوں پر ہوئی اور انہوں نے مشورہ دے دیا، اس میں نہ تو آپ نے کوئی مافوق الاسباب مدد طلب فرمائی اور نہ ہی انہوں نے کوئی مافوق الاسباب مدد کی۔ صرف اتنا ہوا کہ ملاقات پر ایک مشورہ دے دیا، اس سے یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ جب انسان مصیبت میں پڑے تو اللہ تعالی کی بجائے بزرگان دین کو پکارے؟

سلفی حضرات کے دلائل

اہل حدیث حضرات کا کہنا یہ ہے کہ کچھ بھی ہو، ہر حال میں دعا صرف اور صرف اللہ تعالی سے کرنی چاہیے کیونکہ دعا ایک عبادت بلکہ عبادت کا مغز ہے۔ اس بات پر سبھی مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ کسی غیر اللہ کے لئے نماز پڑھنے والا شرک کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ غیر اللہ کی عبادت شرک ہے۔ بالکل اسی طریقے سے جب انسان مافوق الاسباب طریقے سے غیر اللہ سے دعا کرتا ہے تو وہ بھی شرک کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ اس نے عبادت کا ایک فعل غیر اللہ کے لئے سرانجام دیا ہوتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں صرف اللہ تعالی ہی سے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اور غیر اللہ سے مانگنے کو مشرکین کا عمل قرار دیا گیا ہے۔ ایسی آیات واحادیث بکثرت ہیں۔ بعض مثالیں یہ ہیں:

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلاَّ الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلاَّ يَخْرُصُونَ.

جو لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں، جو اللہ کے علاوہ شریکوں کو پکارتے ہیں، وہ تو محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور وہ بس اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔

(یونس10:66)

إِنَّ اللَّهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلالاً بَعِيداً. إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلاَّ إِنَاثاً وَإِنْ يَدْعُونَ إِلاَّ شَيْطَاناً مَرِيداً.

اللہ یقیناً اپنے ساتھ شرک کرنے کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جو کچھ ہو، اسے معاف کر دے گا۔ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ یہ لوگ اس کے علاوہ دیویوں اور باغی شیطان کو پکارتے ہیں۔ (النساء117-4:116)

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلاَّ كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلاَّ فِي ضَلالٍ.

اسی [اللہ] کے لئے حق کی پکار ہے۔ وہ لوگ جو اس کے علاوہ کسی اور کو پکارتے ہیں، وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے جیسے کسی کے ہاتھ پھیلے ہوئے ہوں تا کہ وہ پانی کو اپنے منہ تک لے جا سکے مگر ایسا نہ کر سکے۔ کفار کی پکار تو بس گمراہی ہی ہے۔ (الرعد13:14)

وَالَّذِينَ لا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ.

[رحمان کے بندے وہ ہیں] جو اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ (الفرقان25:68)

وَلا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلاَّ مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ.

جنہیں وہ اس کے علاوہ پکارتے ہیں، وہ شفاعت کے مالک نہیں ہیں، سوائے اس کے کہ کوئی علم کی بنیاد پر حق کی گواہی دے دے۔ (الزخرف 43:86)

سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ بریلوی حضرات مزارات پر جا کر یا اپنے گھروں میں جن انبیاء و اولیاء کو پکارتے ہیں، ان کا یہ عمل مشرکین سے مشابہت رکھتا ہے۔ سنی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ سلفی غلط طور پر مشرکین سے متعلق آیات کو ان پر چسپاں کرتے ہیں کیونکہ مشرکین تو اپنے دیوتاؤں کو معبود کا درجہ دیتے تھے جبکہ وہ انبیاء و اولیاء کو یہ درجہ نہیں دیتے ہیں۔ اہل حدیث حضرات کہتے ہیں کہ استعانت لغیر اللہ کر کے وہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے عبادت کا فعل سر انجام دے رہے ہوتے ہیں، جو کہ صریحاً شرک ہے۔ سلفی عالم احسان الٰہی ظہیر (1987-1945) لکھتے ہیں:

ان آیات کریمہ سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی مصائب و مشکلات میں بندوں کی مدد کر سکتا ہے، اور ان کے کام آ سکتا اور ان کے دکھ درد دور کر سکتا ہے۔ اختیار و تصرف کا دائرہ فقط اسی کی ذات تک محدود ہے اور ساری کائنات کا نظام اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ اور تمام انبیاء و رسل نے بھی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے فقط اسی کا دامن تھاما اور صرف اسی کے سامنے سر نیاز خم کیا۔۔۔ ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ شدائد و مشکلات میں ان سے استمداد و استعانت جائز ہے، قرآن کریم صریح، صاف اور واضح آیات سے متصادم ہے۔[2]

سلفی حضرات یہ حدیث اور اسی مضمون کی متعدد احادیث پیش کرتے ہیں:

حدثنا أحمد بن محمد بن موسى أخبرنا عبد الله بن المبارك أخبرنا ليث بن سعد وابن لهيعة عن قيس بن الحجاج قال ح

وحدثنا عبد الله بن عبد الرحمن أخبرنا أبو الوليد حدثنا ليث بن سعد حدثني قيس بن الحجاج المعنى واحد عن حنش الصنعاني عن بن عباس قال كنت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما فقال يا غلام إني أعلمك كلمات احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك إذا سألت فاسأل الله وإذا استعنت فاستعن بالله واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيء لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك ولو اجتمعوا على أن يضروك بشيء لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليك رفعت الأقلام وجفت الصحف قال هذا حديث حسن صحيح

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک دن (سواری پر) بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: "اے لڑکے! میں تمہیں بعض کلمات سکھاتا ہوں، انہیں یاد کر لو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو تو اسے ہمیشہ اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب بھی تم مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب مدد طلب کرو، تو اللہ ہی سے مدد کرو۔ جان رکھو کہ اگر پوری امت تمہیں کوئی فائدہ پہنچانے پر اکٹھی ہو جائے تو اس کے سوا کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ اگر وہ سب مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو اس کے سوا کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔" ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، حدیث 2516)

سنی بریلوی حضرات کی اس بات کہ سلفی حضرات غلط طور پر مشرکین سے متعلق آیات کو ان پر چسپاں کرتے ہیں، کے جواب میں سنی دیوبندی عالم مولانا سرفراز خان صفدر (1914-2009) قرآن مجید کی یہ آیات پیش کرتے ہیں:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لا يَضُرُّهُمْ وَلا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلا فِي الأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ. (یونس 10:18)

"وہ اللہ کے علاوہ اوروں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ فرمایئے: کیا اللہ کو معلوم نہیں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے (جو اسے سفارش کی ضرورت ہو)۔ وہ پاک اور بلند ہے، اس سے جو یہ شرک کر رہے ہیں۔"

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلاَّ لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى. (الزمر 39:3)

"وہ لوگ جو اللہ کے سوا اور حمایتیوں کو پکڑتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں درجہ میں اللہ کے قریب کر دیں۔"

اس کے بعد مولانا صفدر لکھتے ہیں:

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین جو غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے یا ان کو پکارتے تھے، تو ان کو نہ مستقل سمجھتے تھے، اور نہ خدا بلکہ ان کو اللہ تعالی کے تقرب (قریب ہونا) کا ذریعہ اور واسطہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کام اور ہماری حاجتیں خدا تعالی کے پاس پیش کرتے ہیں اور ہماری سفارشیں کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالی نے اس مافوق الاسباب سفارش (یعنی غائبانہ) کو بھی شرک کہا ہے۔ پہلی آیت کے آخر میں عما یشرکون میں اس کو صاف شرک سے تعبیر کیا ہے۔

فائدہ: کہیں آپ کو یہ غلط فہمی نہ واقع ہو جائے کہ ان دونوں آیتوں میں تو عبادت کا لفظ موجود ہے۔ پکارنے کا تو نہیں لیکن یہ وہم بے جا ہو گا، کیونکہ دعا اور پکارنا خود عبادت ہے جیسا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ. (المومن 40:60) "تمہارے رب نے کہا: مجھے ہی پکارو، میں تمہاری فریاد کا جواب دوں گا۔ یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

مولانا صفدر مزید لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالی نے دعا اور پکارنے کو عبادت سے تعبیر کیا ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پکارنا عبادت ہے، پھر آپ نے قرآن کریم کی یہی مذکورہ آیت اس پر بطور استشہاد پڑھی کہ پکارنا عبادت ہے۔"[3]

استعانت لغیر اللہ سے متعلق دو ضمنی مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں جانبین کے نقطہ ہائے نظر میں کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ ایک وسیلہ کا مسئلہ ہے اور دوسرا شفاعت کا۔ یہاں ہم ان پر مختصر بحث کرتے ہیں۔

وسیلہ کا مسئلہ

یہاں تک تو فریقین کے مابین غیر اللہ سے براہ راست مدد مانگنے کے جواز یا عدم جواز کی بحث تھی۔ اسی سے متعلق ایک ضمنی مسئلہ یہ ہے کہ کیا اللہ تعالی سے اس طریقے سے مدد مانگنا درست ہے کہ "اے اللہ! فلاں فلاں کے صدقے، یا فلاں کے وسیلے سے میری یہ حاجت پوری فرما دے۔" سنی بریلوی حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ایسا کرنا بالکل درست ہے اور اچھا عمل ہے۔ اہل حدیث حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ اپنے نیک اعمال کا وسیلہ تو اس طریقے سے پیش کیا جا سکتا ہے کہ ان سے دعا کروائی جائے البتہ فوت شدہ بزرگوں کا وسیلہ پیش کرنا بدعت اور ناجائز امر ہے۔ علمائے دیوبند اس معاملے پر مختلف آراء رکھتے ہیں۔ اکثر کی رائے بریلوی حضرات سے اتفاق کی ہے اور بعض کا نقطہ نظر اہل حدیث حضرات کے قریب ہے۔

سنی بریلوی حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے:

حَدَّثَنَا أحمد بْن منصور بْن يسار. حَدَّثَنَا عثمان بْن عمر. حَدَّثَنَا شعبة، عَن أبي جعفر الدني، عَن عمارة بْن خزيمة بْن ثابت، عَن عثمان بْن حنيف؛ أن رجلاً ضرير البصر أتى النَّبِي صَلَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فقال: ادع اللَّه أن يعافيني. فقال ((إن شئت أخرت لك وهو خير. وإن شئت دعوت)) فقال: ادعه. فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه. ويصلي ركعتين. ويدعو بهذا الدعاء ((اللّهم! إني أسألك، وأتوجه إليك بمحمد نبي الرحمة. يا محمد! إني قد توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى. اللهم! فشفعه في.))

قال أبو إِسْحَاق: هذا حديث صَحِيْح. هذا الحديث قد رواه الترمذي في أبواب الأدعية، في أحاديث شتى من باب الأدعية. وقال: هذا حديث حسن صَحِيْح غريب، لا نعرفه غلا من هذا الوجه، من حديث أبي جعفر.

سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی: "اللہ سے دعا کیجیے کہ مجھے

ٹھیک کر دے۔" آپ نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو میں اس کام کو موخر کر دوں اور وہ بہتر ہے۔ اگر چاہو تو ابھی دعا کر دوں۔" انہوں نے عرض کیا: "ابھی دعا کر دیجیے۔" آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ وضو کریں۔ انہوں نے اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر یہ دعا کی۔ "اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری جانب محمد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے متوجہ ہوتا ہے۔ اے محمد! میں آپ کے ذریعے اپنے رب کی جانب توجہ کرتا ہوں کہ وہ میری حاجت پوری کرے۔ اے اللہ! ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔"

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے بھی دعاؤں کے باب میں روایت کیا اور یہ کہا: "یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ ہم اسے ابو جعفر کی اس سند کے علاوہ نہیں جانتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیہا، حدیث 1385)

مشہور سلفی محدث علامہ ناصر الدین البانی (1914-1999) نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[4] اہل حدیث حضرات اس حدیث کے بارے میں دو باتیں کہتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوا گیا ہے۔ اس کے سوا وسیلہ یا صدقہ پیش کرنے کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ بریلوی حضرات یہ احادیث پیش کرتے ہیں:

حدثنا الحسن بن محمد قال: حدثنا محمد بن عبد الله الأنصاري قال: حدثني أبي، عبد الله بن المثنى، عن ثمامة بن عبد الله بن أنس، عن أنس: أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه: كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب. فقال: اللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا، قال فيسقون.

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب قحط پڑتا تو عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کرتے۔ انہوں نے عرض کیا: "اے اللہ! ہم لوگ تیرے نبی کے وسیلے سے دعا کرتے تھے تو تو ہمیں پانی دیتا تھا، اب ہم تیرے نبی کے چچا کے ذریعے دعا کرتے ہیں، تو ہمیں پانی عطا فرما۔" انس کہتے ہیں کہ بارش ہو جایا کرتی تھی۔ (بخاری، کتاب الاستسقاء، حدیث 964)

اہل حدیث حضرات کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتے کی بنیاد پر انہیں وسیلہ بنایا کرتے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ انہیں دعا کا کہا کرتے تھے۔ جس میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی یہ شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ زندہ بزرگ کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے درخواست کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ فوت شدہ بزرگ کو ایسا نہیں کہا جا سکتا ہے۔

بریلوی حضرات اپنے نقطہ نظر کے حق میں یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ مَالِكِ الدَّارِ , قَالَ : وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ عَلَى الطَّعَامِ , قَالَ : أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ , فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم , فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ , اسْتَسْقِ لأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا , فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ : ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلامَ , وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْتَقِيمُونَ وَقُلْ لَهُ : عَلَيْك الْكَيْسُ , عَلَيْك الْكَيْسُ , فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ , ثُمَّ قَالَ : يَا رَبِّ لاَ آلُو إلاَّ مَا عَجَزْت عَنْهُ.

مالک الدار، جو کہ حضرت عمر کے خازن تھے، بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط آ گیا۔ ایک شخص

(بلال بن حارث مزنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گئے اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجیے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہی ہے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: "عمر کے پاس جاؤ، ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہو گی، اور ان سے کہو کہ تم پر سوچنا سمجھنا لازم ہے، تم پر سوچنا سمجھنا لازم ہے۔" پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر سنائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: "اے اللہ! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل، حدیث 32665)

اس حدیث کو مصنف ابن ابی شیبہ کے محقق محمد عوامہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس عالم عرب کے سلفی عالم علامہ ابن باز (1912-1999) اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں:

اس روایت کی صحت کو درست فرض کرتے ہوئے بھی اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ سے بارش کی دعا کا جواز ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ جن صاحب کا یہاں ذکر ہے، ان کا نام معلوم نہیں ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمومی عمل اس روایت کے خلاف ہے جبکہ وہ سب لوگوں سے بڑھ کر [دین کو] جاننے والے تھے۔ [اس روایت کے علاوہ] کہیں بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کسی صحابی نے قبر انور پر آ کر بارش یا کسی اور چیز کی دعا مانگی ہو۔ بلکہ اس کے برعکس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا خلاف ثابت ہے کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کروایا کرتے تھے اور ان کے عمل پر صحابہ میں سے کسی نے تنقید نہیں کی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ وہی بات حق ہے۔ جو کچھ ان صاحب نے کیا، وہ ایک منکر عمل تھا اور وہ وسیلہ تھا جو شرک کی جانب لے جاتا ہے۔ بلکہ بعض اہل علم نے تو اسے شرک کی اقسام میں داخل کیا ہے۔ سیف کی روایت میں ان صاحب کا نام بلال بن حارث آتا ہے۔ اس روایت کی صحت میں شک ہے کیونکہ سیف کی سند کو شارح [ابن حجر عسقلانی] نے نقل نہیں کیا۔ اس کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو کبار صحابہ کے عمل کے خلاف اس عمل کو درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے۔[5]

سنی بریلوی حضرات میں ایک نیا رجحان

سنی بریلوی حضرات اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ان کے اور سلفی حضرات کے مابین سب سے شدید اختلاف یہی استعانت لغیر اللہ کا مسئلہ ہے۔ دور جدید میں ان کے ہاں ایک نیا رجحان یہ پیدا ہو رہا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں جس شدت کے ساتھ توحید کو بیان کیا گیا ہے اور جس طریقے سے صرف اللہ ہی سے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کو مد نظر رکھتے ہوئے مانگا صرف اللہ ہی سے جائے۔ ہاں اگر غیر اللہ سے کوئی مدد مانگے تو اسے شرک نہ کہا جائے۔ سنی بریلوی عالم علامہ عبدالحکیم شرف قادری (1944-2007) لکھتے ہیں:

البتہ یہ ظاہر ہے کہ جب حقیقی حاجت روا، مشکل کشا اور کارساز اللہ تعالی کی ذات ہے تو احسن اور اولی یہی ہے کہ اسی سے مانگا جائے اور اسی سے درخواست کی جائے اور انبیاء و اولیاء کا وسیلہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے، کیونکہ حقیقت حقیقت ہے اور مجاز مجاز ہے۔ یا بارگاہ انبیاء و اولیاء سے درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا کریں کہ ہماری مشکلیں آسان فرما دے اور حاجتیں بر لائے۔ اس طرح کسی کو غلط فہمی بھی پیدا نہیں ہو گی اور اختلافات کی خلیج بھی زیادہ وسیع نہیں ہو گی۔[6]

سنی بریلوی عالم علامہ غلام رسول سعیدی (b. 1937) لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ نداء غیر اللہ اعتقاد مذکور کے ساتھ ہر چند کہ جائز ہے، لیکن افضل، اولی اور احسن یہ ہے کہ اللہ تعالی سے سوال کیا جائے اور اسی سے استمداد اور استعانت کی جائے جیسا کہ حدیث مذکور (ترمذی میں ابن عباس والی) کا تقاضا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد، نداء اور توسل کے متعلق میں نے بہت طویل بحث کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں اس مسئلہ میں جانبین سے غلو کیا جاتا ہے۔ شیخ ابن تیمیہ، ابن القیم اور ابن الہادی کے پیروکار اور علماء نجد، غیر اللہ سے استمداد اور وصال کے بعد ان کے توسل سے دعا مانگنے کو ناجائز اور شرک کہتے ہیں اور بعض غالی اور ان پڑھ عوام، اللہ سے دعا مانگنے کی بجائے ہر معاملہ میں غیر اللہ کی دہائی دیتے ہیں، انہی کو پکارتے ہیں اور انہی کی نذر مانتے ہیں۔ سو میں نے چاہا کہ قرآن مجید، احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور فقہاء اسلام کی عبارات کی روشنی میں حق کو واضح کروں، تاکہ بلاوجہ کسی مسلمان کو مشرک کہا جائے نہ اللہ تعالی سے دعا اور استعانت کا رابطہ منقطع کیا جائے اور نہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی تعظیم و تکریم میں کوئی کمی کی جائے۔[7]

اس نقطہ نظر کو عام بریلوی حلقوں میں ابھی مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی ہے اور سعیدی صاحب کو اس کی وجہ سے اپنے ہم مسلک حضرات کی جانب سے شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

مسئلہ شفاعت

مسئلہ استعانت کا ایک ضمنی پہلو مسئلہ شفاعت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روز قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کر کے اپنے امتیوں کو بخشوا لیں گے۔ سنی بریلوی حلقوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے حصول پر بہت زور دیا جاتا ہے تاہم تمام سنی بریلوی علماء اس بات پر متفق ہیں کہ شفاعت ایسی چیز نہیں ہے جس پر تکیہ کر کے انسان جو چاہے برے کام کرتا رہے۔ ان کے نزدیک شفاعت اسی صورت میں حاصل ہو سکے گی جب انسان نے خود نیک اعمال کی کوشش کی ہو گی۔

اہل حدیث، دیوبندی اور ماورائے مسلک حضرات شفاعت کے قطعی منکر نہیں ہیں البتہ ان کا کہنا یہ ہے کہ شفاعت کا مقصد یہ ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کو دنیا کے سامنے ظاہر کر دیا جائے۔ یہ آپ کی شان کا اظہار ہو گا نہ کہ امت کو کھلی چھٹی دے دی گئی ہے کہ وہ جو چاہے کرتے پھریں۔ اس کے علاوہ یہ شفاعت انہی افراد کے لیے ہو گی جن کے لئے اللہ تعالی اجازت دے گا۔

چونکہ اس ضمن میں مختلف مسالک کے علماء کے مابین کوئی اصولی نوعیت کا اختلاف نہیں ہے، اس وجہ سے ہمیں اس موضوع پر جانبین کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاہم یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ بہت سے عام بریلوی لوگ، محض شفاعت کے عقیدے پر بھروسہ کرتے ہوئے گناہ کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بزرگان دین انہیں بخشوا لیں گے۔ انہیں راضی رکھنے کے لیے وہ بڑی باقاعدگی سے ان کے مزارات پر جاتے ہیں، وہاں دھوم دھام سے تقریبات منعقد کرتے ہیں، ایصال ثواب کی مجالس میں شرکت کرتے ہیں، مزارات پر دیگیں پکواتے ہیں، مزارات کو سونے کا بنواتے ہیں اور اس طرح کے بہت سے افعال کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ طرز عمل عام بریلوی افراد کا ہے۔ ان کے اس طرز عمل پر بعض سنی بریلوی علماء تنقید کرتے ہیں البتہ اکثر بریلوی

علماء اس معاملے میں خاموش رہتے ہیں۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ استعانت لغیر اللہ کا ایک جزوی پہلو حیات النبی کا مسئلہ ہے۔ سنی بریلوی اور اکثر سنی دیوبندی حضرات کا موقف یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ بریلوی حضرات کے نزدیک دیگر انبیاء، شہداء اور اولیاء اللہ بھی زندہ ہیں۔ انبیاء و اولیاء کو وفات کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا جاتا ہے۔ بریلوی حضرات ان ہستیوں کی وفات کے لیے "موت" کے لفظ کے استعمال کو بالعموم بے ادبی سمجھتے ہیں اور اس کے لیے "وصال" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اہل حدیث اور ماورائے مسلک حضرات کا کہنا یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء دنیاوی زندگی سے وفات پا کر اپنی برزخی زندگی میں زندہ ہیں، اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں اور ہمیں اس کا کوئی شعور نہیں ہے۔ سنی دیوبندی حضرات کے ہاں اس مسئلے پر دو گروہ موجود ہیں جو کہ ''حیاتی'' اور ''مماتی'' کہلاتے ہیں۔

اس مسئلے میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اصل اختلاف اس بات پر نہیں ہے کہ انبیاء و اولیاء زندہ ہیں یا نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ ان کی زندگی کی کیفیت کیا ہے۔ سنی بریلوی اور حیاتی دیوبندی حضرات کے نزدیک ان کی برزخی زندگی، عام زندگی جیسی ہوتی ہے بلکہ بریلوی حضرات کے نزدیک انہیں دنیاوی زندگی سے بڑھ کر کہیں طاقتیں مل جاتی ہیں جن سے وہ اپنے امتیوں اور پیروکاروں کی مدد کرتے ہیں۔ سلفی اور مماتی دیوبندی حضرات کے نزدیک ایسا نہیں ہوتا اور ان کی زندگی کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔

اس ضمن میں جانبین جو دلائل پیش کرتے ہیں، وہ کم و بیش وہی ہیں جو ہم استعانت لغیر اللہ کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔

مسئلہ سماع موتی

اسی سے متعلق ایک اور مسئلہ بھی ہے جسے مذہبی لٹریچر میں ''سماع موتی'' کا مسئلہ کہا جاتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا مردے سن سکتے ہیں یا نہیں؟ سلفی اور مماتی دیوبندی حضرات کا موقف یہ ہے کہ فوت شدہ لوگ نہیں سن سکتے ہیں چنانچہ وہ کسی کی مدد کے قابل نہیں ہیں۔ اس کے برعکس بریلوی اور حیاتی دیوبندی حضرات بالعموم اس کے قائل ہیں کہ فوت شدہ لوگ سن سکتے ہیں اور اسی بنیاد پر بریلوی حضرات کا موقف ہے کہ وہ پکارنے والوں کی مدد کو بھی پہنچ سکتے ہیں۔ سنی بریلوی اور حیاتی دیوبندی حضرات کے نقطہ نظر میں فرق یہ ہے کہ دیوبندی حضرات اس سننے کو قبر کے قریب تک محدود مانتے ہیں۔ یعنی اگر ایک شخص قبر کے قریب کھڑا ہو کر کوئی بات کرے تو ان کے نزدیک مردہ سنتا ہے۔ اس کے برعکس بریلوی حضرات کا موقف یہ ہے کہ فوت شدہ انبیاء اور اولیاء کو ایسی طاقتیں مل جاتی ہیں کہ وہ جہاں بھی ہوں، اپنے مریدوں کی پکار سکتے ہیں اور ان کی مدد کو پہنچ سکتے ہیں۔

سماع موتی کے عدم قائلین کے دلائل

سماع موتی کے عدم قائلین اپنے نقطہ نظر کے حق میں قرآن مجید کی یہ آیات پیش کرتے ہیں:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ. إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ. (الفاطر 35:22-23)

مردے اور زندہ برابر نہیں ہیں۔ اللہ جسے چاہے، سنا دے مگر (اے پیغمبر!) آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے ہیں جو قبروں میں ہیں کیونکہ آپ تو محض خبر دار کرنے والے ہیں۔

إِنَّكَ لا تُسْمِعُ الْمَوْتَى وَلا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ. (النمل 27:80)

یقیناً آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے اور نہ ہی اس بہرے کو پکار سنا سکتے ہیں جو پیٹھ پھیر کر بھاگا جا رہا ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ. أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ. (الاعراف 7:195)

یہ جن لوگوں کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ تم لوگوں جیسے ہی بندے ہیں۔ تو اگر تم سچے ہو تو انہیں پکارو تا کہ وہ تمہیں جواب دیں۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں؟ یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہوں؟ یا ان کی آنکھیں ہیں جس سے وہ دیکھتے ہوں؟ یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں؟ (اے نبی!) آپ فرمائیے کہ بلاؤ اپنے ان شریکوں کو، پھر میرے خلاف تدابیر کرو اور مجھے ہرگز مہلت مت دو۔

سماع موتی کے عدم قائلین کا کہنا یہ ہے کہ ان آیات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ مردوں کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے اور وہ سن نہیں سکتے ہیں۔

سماع موتی کے قائلین کے دلائل

سماع موتی کے قائلین اپنے نقطہ نظر میں چند احادیث پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان آیات کو ان احادیث کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ احادیث یہ ہیں:

حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا يعقوب بن إبراهيم: حدثني أبي، عن صالح: حدثني نافع: أن ابن عمر رضي الله عنهما أخبره قال: اطلع النبي صلى الله عليه وسلم على أهل القليب، فقال: (وجدتم ما وعد ربكم حقا). فقيل له: تدعو أمواتا؟ فقال: (وما أنتم بأسمع منهم، ولكن لا يجيبون).

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قلیب (وہ کفار جو غزوہ بدر کے دن قتل ہوئے اور ان کی لاشوں کو ایک کنویں میں ڈال دیا گیا) پر جھانکا اور فرمایا: "تم نے پا لیا کہ تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا، وہ حق تھا۔" لوگوں نے عرض

کیا: "آپ کیا مردوں کو پکار رہے ہیں؟" فرمایا: "آپ لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے، البتہ یہ لوگ جواب نہیں دے پا رہے ہیں۔" (بخاری، کتاب الجنائز، حدیث 1304)

حدثنا عياش: حدثنا عبد الأعلى: حدثنا سعيد قال: وقال لي خليفة: حدثنا ابن زريع: حدثنا سعيد، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (العبد إذا وضع في قبره وتولي وذهب أصحابه، حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان فأقعداه، فيقولان له: ما كنت تقول في هذا الرجل محمد صلى الله عليه وسلم؟ فيقول: أشهد أنه عبد الله ورسوله، فيقال: انظر إلى مقعدك في النار، أبدلك الله به مقعدا من الجنة). قال النبي صلى الله عليه وسلم: (فيراهما جميعا، وأما الكافر، أو المنافق: فيقول: لا أدري، كنت أقول ما يقول الناس. فيقال: لا دريت ولا تليت، ثم يضرب بمطرقة من حديد ضربة بين أذنيه، فيصيح صيحة يسمعها من يليه إلا الثقلين).

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی پلٹ کر چلے جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس وقت دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے کہتے ہیں: "تم ان صاحب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتے تھے؟" وہ کہتا ہے: "میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔" اس سے کہا جاتا ہے: "جہنم میں اپنے مقام کی طرف دیکھو۔ اللہ اسے بدل کر جنت میں تمہیں مقام عطا فرمائے گا۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: "ان دونوں مقامات کو سبھی لوگ دیکھتے ہیں۔ کافر یا منافق (سوال کے جواب میں) کہتا ہے: "مجھے معلوم نہیں۔ میں تو وہی کہتا تھا جو اور لوگ کہتے تھے۔" اس سے کہا جاتا ہے: "تم نے نہ جانا اور نہ مانا۔" پھر اس کے کانوں کے درمیان لوہے کے گرز سے ضرب لگائی جاتی ہے اور اس کی چیخ کو سوائے دو بوجھ (جن و انسان) کے اور کوئی نہیں سن پاتا۔ (بخاری، کتاب الجنائز، حدیث 1273)

سماع موتی کے قائلین کا کہنا ہے کہ ان احادیث سے واضح ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ اس وجہ سے قرآنی آیات کو ان کے اصل مفہوم میں لینے کی بجائے تاویل کرنا ہو گی۔ چنانچہ وہ آیات قرآنی کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ان سے مراد حقیقی مردے نہیں بلکہ دل کے مردے یعنی کفار ہیں۔ سورۃ الاعراف کی آیت کے بارے میں ان کا موقف ہے کہ یہاں کفار کے بت زیر بحث ہیں۔

اس کے برعکس سماع موتی کے عدم قائلین کا کہنا یہ ہے کہ آیات قرآنی کو ان کے اصل مفہوم میں لینا چاہیے۔ ان میں کفار مکہ کو مردوں سے تشبیہ دی جا رہی ہے کہ جیسے مردے نہیں سنتے، ویسے ہی ان لوگوں کے دل اس درجے میں مردہ ہو چکے ہیں کہ یہ بھی مردوں کی طرح نہیں سنتے۔ کسی چیز سے تبھی تشبیہ دی جاتی ہے جب اس میں وہ خصوصیت موجود ہو۔ کفار چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ماننے پر تیار نہیں تھے، اس وجہ سے انہیں مردوں سے تشبیہ دی گئی کہ مردوں کی طرح یہ بھی سن نہیں سکتے۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو اس ضمن میں سماع موتی کے عدم قائلین کا کہنا ہے کہ ان احادیث میں استثنائی صورتیں (Exceptional Cases) بیان ہوئی ہیں اور ان سے عمومی قاعدہ اخذ کرنا درست نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنگ بدر کے مقتولین کو پکارا تو اس وقت اللہ تعالی نے آپ کی آواز ان لوگوں کو سنا دی۔ یہ ایک استثنائی واقعہ تھا۔ اسی طرح مردے کو قبر میں رکھ کر جب لوگ واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے قدموں کی چاپ کو سن کر ان کا جانا محسوس کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کا امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر خاص طور پر اس وجہ سے یہ بات بیان کی گئی ہے تاکہ قبر کے امتحان کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اس

میں یہ پہلو بھی ہے کہ جن عزیز و اقارب کے لیے انسان ساری زندگی خوار ہوتا ہے اور بعض اوقات گناہ کا ارتکاب بھی کر بیٹھتا ہے، وہ اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

سماع موتی کے قائلین اس سلسلے میں یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں:

قال من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا أبلغته.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص بھی میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے تو میں اسے سنتا ہوں۔" (بیہقی، شعب الایمان، حدیث 1583)

اس کے جواب میں سماع موتی کے عدم قائلین کا کہنا یہ ہے کہ یہ حدیث سخت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن مروان سدی صغیر ہے جو کہ انتہائی ناقابل اعتماد راوی ہے۔ پھر خود سدی صغیر نے اس روایت کے دو ورژن بیان کیے ہیں جن میں مختلف بات بیان ہوئی ہے۔ پوری حدیث یوں ہے:

أخبرنا أبو الحسين بن بشران أنا أبو جعفر محمد بن عمرو بن البختري ثنا عيسى بن عبد الله الطاليسي ثنا العلاء بن عمرو الحنفي ثنا أبو عبد الرحمن عن الأعمش

ح وأخبرنا أبو الحسين بن الفضل القطان أنا أبو الحسين أحمد بن عثمان الآدمي ثنا محمد بن يونس بن موسى ثنا الأصمعي ثنا محمد بن مروان السدي عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صل علي عند قبري وكل بهما ملك يبلغني وكفى بهما أمر دنياه وآخرته وكنت له شهيدا أو شفيعا هذا اللفظ حديث الأصمعي وفي رواية الحنفي قال عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا أبلغته.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بھی کوئی شخص میری قبر کے پاس کھڑا ہو کر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرما دیتے ہیں جو اس سلام کو مجھ تک پہنچا دیتا ہے، اور یہ دنیا اور آخرت دونوں کے معاملات میں کفایت کرے گا۔ میں اس کا گواہ یا شفاعت کرنے والا ہوں گا۔"

ان الفاظ میں حدیث کو اصمعی نے روایت کیا جبکہ (علا بن عمرو) حنفی کے الفاظ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔" (بیہقی، شعب الایمان، حدیث 1583)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سلام فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک سماع موتی کا مسئلہ بھی "استعانت لغیر اللہ" میں بہت زیادہ متعلق نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بالفرض فوت شدہ بزرگ سنتے بھی ہوں، تب بھی ان سے مافوق الاسباب طریقے سے مدد مانگنا، سلفی اور دیوبندی حضرات کے نزدیک شرک ہی میں داخل ہو گا۔

اسائنمنٹس

1. غیر اللہ سے مدد مانگنے کے بارے میں بریلوی اور اہل حدیث حضرات کے درمیان کیا فرق ہے؟
2. کیا زندہ شخص کے وسیلے سے اللہ سے دعا مانگی جاسکتی ہے؟ قرآن میں وسیلے کا لفظ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے؟ اس معاملے میں فریقین کا موقف کیا ہے؟
3. کیا اپنے اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے مدد مانگنا، احسان جتانا نہیں ہے کہ میں نے فلاں نیکی کی تھی تو اب تو میری مدد فرما؟
4. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کن بنیادوں پر ہوگی اور اس کی شرائط کیا ہیں؟
5. سماع موتی، حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور استمداد لغیر اللہ کے مسائل میں باہمی تعلق کیا ہے؟

تعمیر شخصیت

اگر آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ آپ کچھ دلائل کی بنیاد پر ایک نقطہ نظر اختیار کر سکتے ہیں، تو بالکل اسی طرح یہ حق دوسروں کو بھی حاصل ہے۔ دوسروں کو مثبت انداز میں قائل کیجیے۔ ان پر اپنا نقطہ نظر مسلط نہ کیجیے۔ دوسروں کا نقطہ نظر اگرچہ آپ سے مختلف ہو، تب بھی اس کا احترام کیجیے۔

---

[1] محمد سرفراز خان صفدر۔ گلدستہ توحید۔ ص44۔ گوجرانوالہ: مکتبہ صفدریہ (2008)۔ www.e-iqra.com (ac. 7 Jan 2011)

[2] احسان الٰہی ظہیر۔ البریلویہ۔ باب: بریلوی عقائد، ص55۔ www.kitabosunnat.com (ac. 3 Oct 2011)

[3] محمد سرفراز خان صفدر۔ حوالہ بالا۔ ص123

[4] محمد ناصر الدین البانی۔ صحیح وضعیف ابن ماجہ۔ حدیث 1385۔

[5] عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز۔ حاشیہ فتح الباری شرح البخاری، ابواب الاستسقاء، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا

[6] عبد الحکیم شرف قادری۔ ندائے یا رسول اللہ۔ ص12۔ بحوالہ شرح صحیح مسلم از غلام رسول سعیدی۔ جلد7، ص90۔

[7] غلام رسول سعیدی۔ شرح صحیح مسلم۔ جلد7، ص91۔ لاہور: فرید بک اسٹال (2003)۔ www.nafseislam.com (accessed 3 Oct 2011)

باب 6: عقیدہ نور و بشر اور ایصال ثواب

اس باب میں ہم دو اختلافی عقائد کا جائزہ لیں گے۔ ایک ہے عقیدہ نور و بشر اور دوسرا ہے عقیدہ ایصال ثواب۔

عقیدہ نور و بشر

سنی بریلوی اور اہل حدیث و دیوبندی حضرات کے مابین ایک اہم اختلاف عقیدہ نور و بشر کا ہے۔ سنی بریلوی حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالی نے تمام مخلوقات سے پہلے اپنے نور سے پیدا فرمایا اور پھر اس کائنات کو آپ کے لیے پیدا کیا۔ اسی بنیاد پر وہ آپ کے لیے "نور اللہ" یعنی اللہ کا نور کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ نعوذ باللہ آپ کو اللہ تعالی کے وجود کا کوئی حصہ سمجھتے ہوں، ان کا کہنا یہ ہے کہ نور اللہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالی نے براہ راست اپنے نور سے پیدا فرمایا، جیسے چراغ سے چراغ جلایا جاتا ہو۔[1] بریلوی حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر یعنی انسان ہونے کو مانتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ آپ کو بشر یا بھائی کہنا آپ کی بے ادبی ہے۔

اس کے برعکس سلفی حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلی ترین درجہ کے انسان تھے۔ آپ کو نور ہدایت یا نور نبوت کہا جا سکتا ہے مگر اپنی اصل میں آپ انسان ہی تھے اور ایسا کہنے سے کوئی بے ادبی نہیں ہوتی۔ آپ کو اللہ کا نور ماننا شرک کے زمرے میں آتا ہے۔

سنی بریلوی حضرات کے دلائل

اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں سنی بریلوی حضرات قرآن مجید کی کچھ آیات اور چند احادیث پیش کرتے ہیں:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيراً مِمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنْ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنْ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ. (المائدہ 5:15)

"اے اہل کتاب! ہمارا رسول تمہارے پاس آ چکا ہے جو کہ کثرت سے تمہارے سامنے وہ واضح کرتا ہے جو تم [اللہ کی] کتاب سے چھپاتے ہو اور بہت سے معاملات میں عفو سے کام لیتا ہے۔ یقیناً تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور اور ایک روشن کتاب آ چکی ہے۔"

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلاَّ أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ. (التوبہ 9:32)

"وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ کے نور کے اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کامل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے، اگرچہ ان کفار کو ناگوار گزرے۔"

بریلوی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ان آیات میں اللہ کے نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کے برعکس اہل حدیث اور اکثر دیوبندی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اگرچہ قرآن میں نور سے مراد بالعموم کتاب اللہ ہوتی ہے، جیسا کہ تورات کو بھی نور کہا گیا ہے، مگر اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی لیا جا سکتا ہے۔ یہ نور ہدایت ہے جس سے ہم سب روشنی پاتے ہیں۔ اس نور سے مراد یہ نہیں کہ آپ معاذ اللہ نور کے میٹریل سے بنے ہوئے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نور ہدایت ہیں۔

سنی بریلوی حضرات اس ضمن میں یہ احادیث بھی پیش کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ الزُّهْرِيُّ ، قَالَ : حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ابْنُ أَخِي مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ ، عَنْ كُرَيْبٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ ، إِذَا تَكَلَّمَ رُئِيَ كَالنُّورِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ.

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری تھی۔ جب آپ کلام فرماتے تو گویا کہ ایک نور تھا جو ان دونوں دانتوں کے مابین نکل رہا ہوتا تھا۔ (شمائل ترمذی، حدیث 15)

أخبرنا محمود بن غلان ثنا يزيد بن هارون انا مسعر عن عبد الملك بن عمير قال قال بن عمر ما رأيت أحدا أنجد ولا أجود ولا أشجع ولا أضوأ وأوضأ من رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری تھی۔ جب آپ کلام فرماتے تو گویا کہ ایک نور تھا جو ان دونوں دانتوں کے مابین نکل رہا ہوتا تھا۔ (سنن دارمی، حدیث 59)

سلفی حضرات کہتے ہیں کہ ان احادیث کو صحیح بھی مان لیا جائے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی کی نورانی جہت کے انکاری نہیں ہیں۔ وہ آپ کو انسان سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالی سے نبوت کے تعلق کے باعث آپ کی نورانی صفات کا انہیں انکار نہیں ہے۔

اس کے علاوہ بعض بریلوی حضرات دو احادیث "لولاك لولاك ما خلقت الأفلاك" یعنی "اے محمد! اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا" اور "أول ما خلق الله نور نبيك يا جابر" یعنی "اے جابر! اللہ نے سب سے پہلے جو چیز تخلیق کی وہ تمہارے نبی کا نور تھا" پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ احادیث ہیں جنہیں قدیم محدثین نے بھی موضوع یعنی جعلی اور باطل قرار دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بریلوی علماء جنہیں علوم حدیث میں مہارت حاصل ہے، کبھی ان احادیث کو پیش نہیں کرتے ہیں۔

سلفی حضرات کے دلائل

سلفی حضرات اپنے نقطہ نظر کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت اور متعدد احادیث پیش کرتے ہیں:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ. (الکہف 18:110)

"اے نبی! آپ فرمائیے کہ میں تو بس تمہارے جیسا انسان ہی ہوں، ہاں میری جانب وحی کی جاتی ہے۔"

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ عَمْرَةَ ، قَالَتْ : قِيلَ لِعَائِشَةَ : مَاذَا كَانَ يَعْمَلُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي بَيْتِهِ ؟ قَالَتْ : كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ ، يَفْلِي ثَوْبَهُ ، وَيَحْلُبُ شَاتَهُ ، وَيَخْدُمُ نَفْسَهُ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا: "وہ انسانوں میں سے ایک انسان تھے، اپنے کپڑے میں چاول چھانتے، اپنی بھیڑ کا دودھ دوہتے اور اپنے کام خود کیا کرتے تھے۔" ۔(شمائل ترمذی، حدیث 342)

اس کے جواب میں سنی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کے منکر نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں آپ کو جو "تمہارے جیسا انسان" کہا گیا ہے، ایسا اللہ تعالیٰ ہی کہہ سکتا ہے، ہمارا اس طرح سے کہنا بے ادبی ہے۔ اس کے جواب میں سلفی حضرات کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ کو اپنے جیسا انسان کہا، تو کیا یہ بے ادبی نہ تھی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی اعتبار سے دیگر انسانوں جیسے ہی تھے اور ایسا کہنے سے ہرگز آپ کی کوئی بے ادبی نہیں ہو سکتی ہے۔

اس اختلاف کا ایک پہلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثل ہونا بھی ہے۔ اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل انسان تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ سلفی حضرات کے نزدیک آپ جسمانی اعتبار سے عام انسان تھے اور کھانا کھایا کرتے تھے۔ فرق یہ تھا کہ آپ کو وحی آیا کرتی تھی۔ بریلوی حضرات کے نزدیک آپ جسمانی اعتبار سے بھی مختلف تھے، اصلاً آپ نور تھے مگر آپ کو بشری قالب میں دنیا میں بھیجا گیا تھا۔

عقیدہ ایصال ثواب

سنی بریلوی اور سنی دیوبندی حضرات کے ایک بڑے گروہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان اگر کوئی نیکی کرے تو اس کا ثواب دوسرے مسلمانوں کو منتقل کر سکتا ہے۔ اسے عقیدہ ایصال ثواب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے ہاں یہ عام رسم ہے کہ مختلف تاریخوں پر ختم قرآن، ذکر یا دیگر دینی رسوم کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں، کھانا پکایا جاتا ہے اور اس کا ثواب اپنے فوت شدہ بزرگوں کے منتقل کر دیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس اہل حدیث اور دیوبندی حضرات کے ایک اقلیتی گروہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہے، کوئی اپنی نیکیاں دوسرے کو منتقل نہیں کر سکتا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر اس عقیدے کو مان لیا جائے تو پھر آخرت اور جزا و سزا کا تصور ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس طرح ایک شخص جتنے بھی گناہ کرے، مرنے کے بعد (یا اس کی زندگی میں) اس کی آل اولاد اور احباب اسے ایصال ثواب کرتے رہیں گے۔ اس طرح اس کے اکاؤنٹ میں نیکیاں برائیوں پر غالب آ جائیں گی اور ہر شخص بخشا جائے گا۔

جانبین کے دلائل یہ ہیں:

سنی بریلوی حضرات کے دلائل

اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں سنی بریلوی حضرات چند احادیث پیش کرتے ہیں:

حدثنا محمد بن عبد الرحيم: حدثنا معاوية بن عمرو: حدثنا زائدة، عن الأعمش، عن مسلم البطين، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، إن أمي ماتت وعليها صوم شهر، أفأقضيه عنها؟. قال: (نعم، قال: فدين الله أحق أن يقضى).

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: "یارسول اللہ! میری والدہ فوت ہو گئی ہیں ان کے ذمے ایک ماہ کے روزے باقی تھے۔ کیا میں ان کی جانب سے اسے پورا کر دوں۔" فرمایا: "ہاں، اللہ کا قرض پورا ہونے کا زیادہ حقدار ہے۔ (بخاری، کتاب الصوم، حدیث 1852)

اسی طرح سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے بارے میں سوال کیا کہ کیا میں ان کی جانب سے صدقہ کر سکتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی۔[2] نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی امت کی جانب سے قربانی فرمائی اور آپ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہی قربانی کرتے رہے۔[3]

سلفی حضرات کے دلائل

اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں سلفی حضرات قرآن مجید کی یہ آیات پیش کرتے ہیں:

أَلاَّ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى. وَأَنْ لَيْسَ لِلإِنسَانِ إِلاَّ مَا سَعَى. وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى. ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الأَوْفَى. (النجم 53:38-41)

"کہ کوئی جان دوسری کا بوجھ نہ اٹھائے گی، اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی ہے۔ اس کی کوشش کو عنقریب جانچا جائے گا، پھر اسے پوری پوری جزا دی جائے گی۔"

یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ان آیات سے واضح ہے کہ ہر شخص کو اسی عمل کی جزا و سزا ملے گی جس کے لیے اس نے خود کوشش کی ہو گی۔ اس وجہ سے نہ تو ایصال ثواب کا کوئی تصور ممکن ہے اور نہ ایصال عذاب کا۔

ایصال ثواب کے قائلین جو احادیث پیش کرتے ہیں، سلفی حضرات ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر دوسرے کی جانب سے عمل کرنے کی اجازت عطا فرمائی جب وہ شخص خود وہ عمل کرنا چاہتا تھا مگر کر نہ پایا تھا۔ جیسے سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ صدقہ کرنا چاہتی تھیں، مگر کر نہ سکیں، اسی طرح بخاری کی حدیث میں مذکورہ شخص کی والدہ روزہ رکھنا چاہتی تھیں مگر رکھ نہ سکیں۔ انہوں نے اس عمل کی کوشش کی مگر پورا نہ کر سکیں، اس وجہ سے ان کی اولاد نے ان کی وصیت یا خواہش کے مطابق اگر وہ عمل کر دیا تو اللہ تعالی انہیں ان کی اپنی کوشش اور وصیت کا اجر دے دے گا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کا ثواب امت

میں ان لوگوں کو ملے گا جو قربانی نہ کر سکتے ہوں مگر اس کی خواہش رکھتے ہوں۔ اس طرح سے ایصال ثواب ان لوگوں کے لیے تو ممکن ہے جو کوئی نیک عمل کرنا چاہتے تھے مگر کر نہ سکے لیکن اور لوگوں کے لیے ایسا ممکن نہیں ہے۔

اسائنمنٹس

1. اگر سنی بریلوی حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور ماننا چھوڑ دیں اور سلفی حضرات آپ کو نور ماننا شروع کر دیں تو دونوں کے بنیادی عقائد پر کیا فرق پڑے گا؟
2. ایصال ثواب کے اصول دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث کے نزدیک کیا ہیں بیان کریں۔
3. کیا ایصال ثواب کی طرح ایصال عذاب بھی ممکن ہے؟ قرآن وحدیث اور عقل کی روشنی میں واضح کریں۔
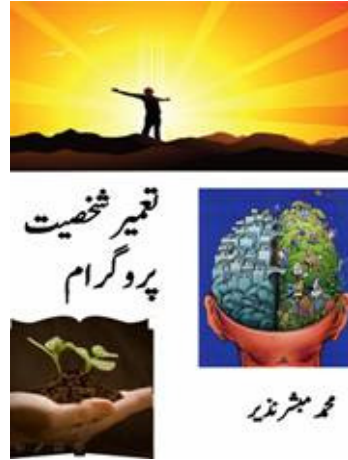
[1] احمد رضا خان بریلوی۔ فتاوی افریقہ۔ ص82۔ فیصل آباد: مکتبہ نوریہ رضویہ۔(ac. 14 Oct 2011) www.nafseislam.com

[2] احمد بن شعیب النسائی۔ السنن الکبری۔ کتاب الوصایا۔ حدیث3650۔(ac. 3 Oct 2011) http://www.almeshkat.net/books/

[3] ابو داؤد۔ السنن۔ کتاب الضحایا۔ حدیث2790۔ (ac. 3 Oct 2011) http://www.almeshkat.net/books/

باب 7: مسئلہ تکفیر

اب تک ہم نے ان مسائل پر بحث کی ہے جو سلفی اور سنی بریلوی حضرات میں عقیدے کے اختلاف سے متعلق ہیں۔ اس باب میں ہم ایک اہم اختلاف کا جائزہ لیں گے جس کے تحت سنی بریلوی حضرات، اہل حدیث اور دیوبندی حضرات کی بعض عبارات کو کفر قرار دیتے ہیں۔

ہر قوم اپنے انبیاء اور مذہبی راہنماؤں کا احترام کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسلمانوں کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ وہ آپ سے متعلق کسی ایسی بات کو برداشت نہیں کر سکتے جس میں ادنی درجے میں گستاخی کا شائبہ بھی پیدا ہو سکتا ہو۔ یہ وہ معاملہ ہے جس میں کسی مسلک اور فرقے کا اختلاف نہیں ہے۔

اصولی طور پر اس بات سے متفق ہونے کے باوجود مسالک کی تاریخ میں ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے ایک دوسرے پر توہین رسالت کے مرتکب ہونے کا الزام عائد کیا ہے۔ جب شاہ اسماعیل (1831-1879) نے "تقویۃ الایمان" لکھی تو اس کی بعض عبارتوں کو اس دور کے مشہور منطقی عالم مولانا فضل حق خیر آبادی (1861-1797) نے گستاخانہ قرار دے کر ان پر کفر کا فتوی عائد کیا۔ دیوبندی حضرات کا یہ دعوی ہے کہ بعد میں شاہ اسماعیل کے ساتھ ان کے مذاکرہ کے نتیجے میں انہوں نے اس فتوی کو واپس لے لیا تھا جبکہ بریلوی حضرات کا کہنا ہے کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ واضح رہے کہ مولانا خیر آبادی دیوبندی اور بریلوی سبھی کے نزدیک محترم شخصیت ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں مولانا احمد رضا خان بریلوی (1921-1856) نے ایک کتاب "حسام الحرمین" لکھی جس میں انہوں نے پانچ افراد کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کیا کہ یہ پانچوں اللہ تعالی اور اس کے پیغمبروں کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں جس کے باعث یہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب حرمین شریفین کے علماء کو بھیجی جنہوں نے ان کے فتوی کی توثیق کر دی۔ ان پانچ افراد کے نام یہ ہیں:

- مرزا غلام احمد قادیانی (1835-1908)
- مولانا محمد قاسم نانوتوی (1832-1880)
- مولانا رشید احمد گنگوہی (1829-1905)
- مولانا خلیل احمد سہارن پوری (1852-1927)
- مولانا اشرف علی تھانوی (1863-1943)

ان پانچوں میں مرزا غلام احمد قادیانی کو انہوں نے اس وجہ سے کافر قرار دیا کہ انہوں نے نبوت کا دعوی کیا تھا۔ مرزا صاحب کے بارے

میں ان کے فتوی سے دیوبندی، اہل حدیث اور ماورائے مسلک مسلمان سبھی متفق ہیں۔ مرزا صاحب کے دعوی کی تفصیل کا مطالعہ ہم اگلے ماڈیول میں کریں گے۔

بقیہ چار علماء کا تعلق دار لعلوم دیوبند سے تھا جن میں مولانا نانوتوی تو دار لعلوم دیوبند کے بانی تھے۔ مولانا احمد رضا خان نے ان پر الزام لگایا کہ انہوں نے شان رسالت میں گستاخی کی ہے اور ختم نبوت کا انکار کیا ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی پر اللہ تعالی کی جانب جھوٹ منسوب کرنے کا الزام تھا۔ اسی قسم کے کچھ الزامات مولانا خلیل احمد اور مولانا تھانوی پر بھی تھے۔ مولانا احمد رضا صاحب نے اپنے رسالے "الکوکبۃالشہابیہ فی رد ابی الوہابیہ" میں شاہ اسماعیل کی عبارات پر کڑی تنقید کی اور انہیں کفریہ قرار دیا مگر اس بنیاد پر انہیں کافر قرار نہیں دیا کہ وہ مولانا احمد رضا صاحب کی پیدائش (1856) سے تقریباً پچیس برس پہلے وفات پا چکے تھے اور یہ ممکن نہ تھا کہ ان سے مراسلت کر کے انہیں اپنی عبارات سے رجوع کی دعوت دے دی جاتی۔

جن پانچ افراد پر مولانا احمد رضا خان نے کفر کا فتوی عائد کیا، ان کے بارے میں انہوں نے حسام الحرمین میں یہ لکھا کہ **من شك في كفره وعذابه فقد كفر** یعنی جس شخص نے اس (مذکورہ افراد) کے کفر میں شک کیا، اس نے بھی کفر کیا۔ ان کی اس عبارت کی بریلوی حضرات دو طریقے سے توجیہ کرتے ہیں۔ ان کے ایک مختصر گروہ کا کہنا یہ ہے کہ اس فتوی کی رو سے ہر وہ شخص کافر ہو گیا جو ان حضرات کے کفر میں شک کرے۔ اس توجیہ کی رو سے تمام دیوبندی، اہل حدیث اور ماورائے مسلک مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اس توجیہ کو بریلوی حضرات میں سے بہت ہی کم لوگوں نے اختیار کیا ہے۔ اس کے برعکس ان کی اکثریت کا کہنا یہ ہے کہ اس عبارت سے مولانا کی مراد یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کفریہ عبارات کو جانتے بوجھتے متعلقہ افراد کے کفر میں شک کرے، وہ کافر ہے۔ اس توجیہ کی رو سے کفر کا دائرہ صرف ان چار افراد تک محدود رہتا ہے اور عام دیوبندی، اہل حدیث اور ماورائے مسلک افراد کافر قرار نہیں پاتے۔ یہی نقطہ نظر مشہور ماہر رضویات (مولانا احمد رضا صاحب پر ہونے والی تحقیقات) ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے اختیار کیا ہے۔

علمائے دیوبند نے اس کے جواب میں یہ موقف اختیار نہیں کیا کہ توہین رسالت کوئی بڑی اچھی چیز ہے اور ایسا کر کے انہوں نے بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ توہین رسالت کا ادنی درجے میں مرتکب بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ انہوں نے خود پر عائد کردہ ان الزامات کو غلط قرار دیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ ان کے اکابرین کی عبارتوں کو سیاق و سباق سے کاٹ کر اور توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے اور ان کے اکابرین گستاخی رسول کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ایک دوسرے پر الزام تراشی اور جوابی الزامات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا جو اب تک جاری ہے۔

سلفی عالم علامہ احسان الہی ظہیر (1987-1945) نے اپنی کتاب "البریلویہ" میں سنی بریلوی حضرات کی ایک کتاب "تجانب اہل السنۃ" کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ بریلوی حضرات نے کفر کے فتوی کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا اور ان کے نزدیک سرسید، شبلی، علامہ اقبال اور محمد علی جناح سبھی کا شمار کفار میں ہوتا تھا۔ اس بات کی بریلوی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اس کتاب کے مندرجات سے بری

ہیں۔ مشہور بریلوی عالم اور راہنما علامہ احمد سعید کاظمی (1913-1986) کے حوالے سے علامہ عبدالحکیم شرف قادری (1944-2007) لکھتے ہیں:

تجانبِ اہل سنت کسی غیر معروف شخص کی تصنیف ہے جو ہمارے نزدیک قطعاً قابلِ اعتماد نہیں ہے، لہذا اہل سنت کے مسلمات میں اس کتاب کو شامل کرنا قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے اور اس کا کوئی حوالہ ہم پر حجت نہیں ہے، سالہا سال سے یہ وضاحت اہل سنت کی طرف سے ہو چکی ہے کہ ہم اس کے کسی حوالہ کے ذمہ دار نہیں۔ (قلمی یادداشت، حضرت غزالی زماں، تحریر 29 اکتوبر 1984، محفوظ نزد راقم شرف قادری)

اس کتاب کے مصنف کے بارے میں علامہ غلام رسول سعیدی، جو کہ علامہ کاظمی صاحب کے شاگرد ہیں، کی رائے یہ ہے:

"مولانا طیب صاحب ہمدانی مصنف "تجانبِ اہلِ سنت" علمی اعتبار سے کسی گنتی اور شمار میں نہیں ہیں، وہ مولانا حشمت علی کے داماد تھے اور ان کا مبلغ علم فقط اتنا تھا کہ وہ شر قپور کی ایک چھوٹی سی مسجد کے امام تھے اور بس! تجانب اہل سنت میں جو کچھ انہوں نے لکھا، وہ ان کے ذاتی خیالات تھے، اہل سنت کے پانچ ہزار علماء و مشائخ نے بنارس کانفرنس میں قرار داد قیام پاکستان منظور کر کے مولانا حشمت علی کے سیاسی افکار اور تجانب اہل سنت" کے مندرجات کو عملاً ردّ کر دیا تھا، لہذا سیاسی نظریات میں ایک غیر معروف مسجد کے غیر معروف امام (مولانا طیب) اور غیر مستند شخص کے سیاسی خیالات کو سوادِ اعظم اہل سنت پر لاگو نہیں کیا جا سکتا، نہ یہ شخص ہمارے لیے حجت ہے اور نہ اس کے سیاسی افکار۔ (غلام رسول سعیدی، علامہ: ماہنامہ فیضان، فیصل آباد شمارہ اپریل 1978)

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سنی بریلوی حضرات کے اندر ایک اہم طبقہ وہ ہے جو مولانا احمد رضا خان کے کفر کے فتوی کو صرف انہی افراد تک محدود سمجھتا ہے جن کا انہوں نے حسام الحرمین میں ذکر کیا تھا۔

سنی دیوبندی اور بعض اہل حدیث حضرات بھی سنی بریلوی حضرات کی کتب سے ایسی عبارات پیش کرتے ہیں جو کہ ان کے مطابق توہین آمیز ہیں۔ اس میں سر فہرست مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب کی کتاب "جاء الحق" ہے جس کی بعض عبارتوں کو انہوں نے کفریہ اور توہین رسالت پر مبنی قرار دیا ہے۔ بریلوی حضرات نے بھی جواب میں وہی موقف اختیار کیا ہے کہ ان عبارات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کیا گیا ہے۔

یہ ایسا موضوع ہے جس پر اب تک بلا مبالغہ ہزاروں نہیں تو سینکڑوں کتب ضرور لکھی جا چکی ہیں۔ بریلوی اور دیوبندی حضرات نے اہل حدیث حضرات کی بعض کتب میں بھی ایسی عبارات کی نشاندہی کی ہے مگر ان پر ابھی تک کوئی بالاتفاق کفر کا فتوی سامنے نہیں آیا ہے۔ اسی طرح اہل حدیث حضرات، بریلوی اور دیوبندی حضرات کی کتب سے ایسی عبارات پیش کرتے ہیں جن میں ان کے مطابق کفریہ عقائد موجود ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر فریقین کے مابین متعدد مناظرے ہو چکے ہیں جن میں ایک بہت تفصیلی مناظرہ 1979 میں جھنگ میں ہوا۔ اس میں سنی بریلوی حضرات کی نمائندگی مفتی محمد اشرف سیالوی نے اور سنی دیوبندی حضرات کی نمائندگی مولانا حق نواز جھنگوی (1952-1990) نے کی۔ اس مناظرے کی تفصیلی روئیداد "مناظرہ جھنگ" کے نام سے کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکی ہے۔

اس مسئلے میں دلچسپ پہلو یہ ہے کہ تمام فریق اصولی طور پر متفق ہیں کہ توہین رسالت بہت بڑا جرم ہے۔ اہل حدیث اور دیوبندی حضرات ابن تیمیہ (661-728/1263-1327) کا بہت احترام کرتے ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر ایک تفصیلی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" لکھی جس میں اس مسئلے پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اس مسئلے میں اختلاف رائے اصول (Point of Law) کا نہیں ہے بلکہ حقائق (Point of Fact) کا ہے۔ سبھی فریق ایک دوسرے پر الزام عائد کرتے ہیں کہ دوسرے فریق نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے اور فریق مخالف اس کا یہی جواب دیتا ہے کہ ان کی عبارات کو توڑ مروڑ کر اور سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کیا گیا ہے۔ ان الزامات، ان کے جوابات، اور پھر جوابات کے جوابات پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اسے اختصار کے ساتھ پیش کرنا مشکل ہے۔

اگر کوئی غیر جانبدار محقق اس ضمن میں مزید تحقیق کرنا چاہے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس کے لیے ہماری رائے میں یہ لائحہ عمل مناسب ہے:

- سب سے پہلے تو غیر جانبدار محقق کو وہ کتب حاصل کرنی چاہییں جن میں توہین آمیز اور کفریہ عبارات کے موجود ہونے کا دعوی کیا گیا ہے۔ ان کتب کے پرانے ورژن حاصل کرنے چاہییں کیونکہ نئے ورژنز سے ان عبارات کو بالعموم حذف کر دیا گیا ہے۔
- محقق کو ان عبارات کی نشاندہی کرنی چاہیے جن کے بارے میں الزام ہے کہ یہ توہین آمیز یا کفریہ ہیں۔
- محقق کو چاہیے کہ وہ کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے اور ان عبارات کو ان کے سیاق و سباق میں رکھ کر ان کا جائزہ لے کہ کیا وہ اپنے سیاق میں توہین آمیز اور کفریہ ہیں؟
- محقق کو چاہیے کہ وہ اس بات کی تحقیق کرے کہ صاحب کتاب نے اس کے بعد اپنے نقطہ نظر سے رجوع کر لیا تھا یا نہیں۔
- محقق کو چاہیے کہ وہ اس بات کی تحقیق کرے کہ صاحب کتاب کے معتقدین ان عبارات کے قائل ہیں یا نہیں اور اگر قائل ہیں تو کس مفہوم میں؟ کیا یہ مفہوم گستاخانہ ہے یا نہیں؟

محققین کی آسانی کے لیے یہاں متعلقہ کتب کے نام دیے جا رہے ہیں:

اہل حدیث اور دیوبندی حضرات کی کتب

- تقویۃ الایمان از شاہ محمد اسماعیل (اس کتاب کی بنیاد پر شاہ صاحب پر کفر کا فتوی لگا تھا)
- تحذیر الناس از مولانا محمد قاسم نانوتوی (اس کتاب کی بعض عبارات کی بنیاد پر مولانا نانوتوی پر کفر کا فتوی لگا تھا)
- براہین قاطعہ از مولانا خلیل احمد سہارنپوری (اسی کی بنیاد پر مولانا خلیل صاحب کے علاوہ مولانا رشید احمد گنگوہی پر بھی کفر کا فتوی لگا تھا کیونکہ انہوں نے اس پر تقریظ لکھی تھی)

- حفظ الایمان از مولانا اشرف علی تھانوی (اس کتاب کی بنیاد پر مولانا تھانوی پر کفر کا فتوی لگا تھا)
- عبارات اکابر از مولانا محمد سرفراز خان صفدر
- حضرت شاہ اسماعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات از مولانا محمد منظور نعمانی

بریلوی حضرات کی کتب

- الكوكبة الشهابية في رد الكفريات أبي الوهابية از مولانا احمد رضا خان بریلوی
- حسام الحرمین از مولانا احمد رضا خان بریلوی (اس کتاب میں انہوں نے کفر کے فتوے عائد کیے تھے)
- جاء الحق از مفتی احمد یار خان نعیمی (اس کتاب میں حاضر و ناظر کی بحث کی ایک عبارت کو دیوبندی مکتب فکر نے توہین آمیز قرار دیا تھا)

ماورائے مسلک مسلمانوں کا نقطہ نظر

مناسب ہو گا کہ اس مسئلے میں ماورائے مسلک مسلمانوں کا نقطہ نظر بھی پیش کر دیا جائے۔ زیادہ تر ماورائے مسلک علماء اس معاملے میں خاموش رہے ہیں اور انہوں نے اس میں کوئی رائے زنی نہیں کی کیونکہ ان کا خیال بھی یہی تھا کہ عبارات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر ان سے مفہوم نکالا گیا ہے۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ توہین رسالت تو بہر حال ناقابل معافی جرم ہے۔ جن علماء پر توہین رسالت کا الزام عائد کیا جاتا ہے، ہونا یہ چاہیے کہ ان کی دیگر تحریریں بھی پڑھی جائیں اور یہ جانچا جائے کہ کیا وہ واقعتاً گستاخ رسول تھے؟ اگر ایسا ہی تھا تو پھر کسی مسلم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ان علماء کو اپنا اکابر تسلیم کرے اور اگر ایسا نہیں تھا اور ان کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر اور سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کیا گیا تو پھر ایسا کرنے والے کو اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان علماء کو چاہیے تھا کہ وہ اپنی عبارات میں ترمیم کر لیتے تاکہ کسی کو سوال ہی اٹھانے کا موقع نہ ملتا۔

ماورائے مسلک حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ اس واقعے کے سبھی کردار، عرصہ ہوا وفات پا چکے ہیں۔ ان میں سے کسی سے جا کر پوچھا نہیں جا سکتا ہے کہ انہوں نے یہ عبارات کس نیت سے لکھی تھیں۔ اس لیے مناسب ہو گا کہ اس ضمن میں سکوت اختیار کیا جائے۔

اسائنمنٹس

1. تکفیر سے کیا مراد ہے؟ کیا کسی مسلمان کو ہر شخص کافر قرار دے سکتا ہے؟

2. اگر ایک شخص قول سے انکار کرے کہ وہ کفر کا مرتکب ہوا ہے تو کیا اسکی کسی تحریر، تقریر سے اسے کافر قرار دینا جائز ہے؟ مثالوں سے واضح کیجیے۔
3. کیا یہ ممکن ہے کہ تکفیر کئے بغیر معاملات چلائے جائیں؟ اگر ہاں، تو کس طریقے سے؟

تعمیر شخصیت دوسروں کے نقطہ نظر سے سوچنے کی عادت پیدا کیجیے۔ اس سے آپ کا ذہنی افق وسیع ہو گا اور آپ کے لئے دوسروں کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو گی۔ اسی سے رواداری جنم لے گی۔
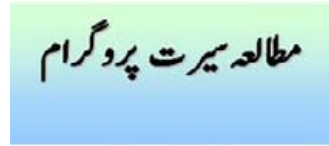
باب 8: مسئلہ بدعت

عقائد سے ہٹ کر سلفی اور غیر سلفی حضرات میں جو سب سے بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، وہ مسئلہ بدعت کا ہے۔ بدعت کا لغوی معنی ہے نئی چیز۔ شرعی علوم کی اصطلاح بدعت اس عمل کو کہتے ہیں جو دین میں کوئی نیا اضافہ ہو۔ اس بات پر سبھی مسلمان متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دین مکمل ہو گیا اور اب اس میں کسی اضافے یا کمی کی گنجائش نہیں ہے۔ اکثر سنی بریلوی اور بعض سنی دیوبندی حضرات (فریق اول) بعض ایسے افعال بڑی پابندی سے سر انجام دیتے ہیں جن کے بارے میں اکثر دیوبندی اور اہل حدیث حضرات (فریق دوم) کا یہ نقطہ نظر ہے کہ چونکہ ان کاموں کا سراغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں نہیں ملتا، اس وجہ سے یہ بدعت ہیں۔

سنی بریلوی حضرات کا نقطہ نظر

سنی بریلوی حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بدعت کی دو اقسام ہیں: بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں، بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی ان برے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے۔ عیسائی، یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں کیونکہ یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔ نیز ان عقائد کو عیسائی وغیرہ بھی اسلامی عقائد نہیں کہتے ہیں اور جبریہ، قدریہ، مرجیہ، چکڑالوی، غیر مقلد، دیوبندی عقائد بدعت اعتقادیہ ہیں کیونکہ یہ سب بعد کو بنے اور یہ لوگ ان کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں۔۔۔۔

بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی، خواہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو یا اس کے بھی بعد۔ مرقات باب الاعتصام میں ہے: "بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو۔" اشعۃ اللمعات میں بھی یہ ہی بات "جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو، وہ بدعت ہے۔" ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ۔ جو کام بھی ہو، دینی ہو یا دنیاوی، حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو، خواہ زمانہ صحابہ میں یا اس کے بعد، وہ بدعت ہے۔ ہاں عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں، بدعت نہیں بولتے۔ یہ عرف ہے ورنہ خود فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر **نعمته البدعة هذه**، یہ تو بہت ہی اچھی بدعت ہے۔

بدعت عملی دو قسم کی ہے، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کسی سنت کے خلاف نہ ہو، جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے نئے عمدہ کھانے اور پریس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا۔ اور بدعت سیئہ وہ جو کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والی ہو، جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ جمعہ و عیدین پڑھنا یا کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا پڑھانا کہ اس میں خطبہ یعنی عربی میں نہ ہونا اور تبلیغ تکبیر کی سنت اٹھ جاتی ہے، یعنی بذریعہ مکبرین کے آواز پہنچانا بدعت حسنہ جائز بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔[1]

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ مفتی صاحب کے نزدیک بدعات کی دو اقسام ہیں: اچھی اور بری بدعت۔ اچھی بدعت پر عمل اچھی بات ہے بلکہ بعض صورتوں میں فرض و واجب ہے جبکہ بری بدعتوں پر عمل بری بات ہے جو کہ مکروہ تنزیہی، تحریمی یا حرام کے درجے میں آتا ہے۔

سلفی، دیوبندی اور ماورائے مسلک حضرات کا نقطہ نظر

اس کے برعکس اہل حدیث، اکثر دیوبندی اور اکثر ماورائے مسلک حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہر بدعت، خواہ وہ اچھی ہو یا بری، غلط ہے۔ مشہور دیوبندی عالم سید سلیمان ندوی (1884-1953) لکھتے ہیں:

"سنت" کا مقابل لفظ "بدعت" ہے۔ بدعت کے لغوی معنی "نئی بات" کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اس کے یہ معنی ہے کہ مذہب کے عقائد یا اعمال میں کوئی ایسی بات داخل ہو، جس کی تلقین صاحب مذہب نے نہ فرمائی ہو، اور نہ ان کے کسی حکم یا فعل سے اس کا منشاء ظاہر ہوتا ہو، اور نہ اس کی نظیر اس میں ملتی ہو۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے ان دو لفظوں کو انہی معنوں میں مستعمل فرمایا ہے۔۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیم دنیا میں لائے، جن عقائد کی تلقین آپ نے اپنی امت کو فرمائی، مذہب کا جو طریقہ عمل آپ نے متعین فرمایا، اس میں باہر سے اضافہ بدعت ہے۔"[2]

ماورائے مسلک عالم مولانا امین احسن اصلاحی (1904-1997) بیان کرتے ہیں:

بدعت نام ہے اس چیز کا کہ جو دین کی نہیں ہے، وہ دین میں لا گھسائی جائے۔ کسی چیز کے دین کی چیز ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ قرآن میں بیان ہوئی ہو۔ اگر قرآن میں نہ بیان ہوئی تو تو کسی قابل اعتماد حدیث ہی میں آئی ہو، اگر حدیث میں بھی نہ ہو تو کم از کم قیاس و اجتہاد سے یہی ثابت ہو کہ یہ بات قرآن و حدیث سے موافقت اور مناسبت ہی رکھتی ہے۔ اگر اس طرح کا کوئی تعلق بھی اس کا کتاب و سنت سے ثابت نہ پایا جائے تو پھر یہ بات دین کی بات نہیں ہو سکتی۔ اگر دین کے ساتھ اس کا خواہ مخواہ جوڑ ملانے کی کوشش کی گئی تو یہ بدعت ہو گی اور اس طرح کی ہر بدعت ضلالت اور گمراہی ہے۔

اس امر کو اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اس طرح کی کوئی بات بدعت اسی صورت میں قرار پائے گی جب اس کا پیوند دین سے لگانے کی کوشش کی جائے۔ اگر دین سے اس کا جوڑ نہ ملایا جائے تو اس پر بدعت کا اطلاق نہ ہو گا۔ فرض کیجیے ایک شخص گانا سنتا ہے لیکن وہ اس بات کا مدعی نہیں ہے کہ یہ چیز دین کا کوئی جزء ہے یا معرفت الہی کا کوئی ذریعہ ہے، یا شریعت سے یہ ثابت ہے تو اس کے فعل کو بدعت نہیں کہیں گے کیونکہ اس نے اس چیز کا جوڑ دین سے نہیں ملایا ہے۔ اس کو شریعت کے احکام کی روشنی میں جانچیں گے اور فیصلہ کریں گے کہ اس کا فعل جائز ہے یا ناجائز، اور اگر ناجائز ہے تو کس درجہ میں ناجائز ہے۔ لیکن اگر وہی شخص اپنے اس گانے سننے کے متعلق یہ دعوی کر بیٹھے کہ یہ معرفت الہی کا کوئی ذریعہ یا تزکیہ نفس و اصلاح باطن کا کوئی نسخہ ہے تو اس سے سوال ہو گا کہ اس نے کتاب و سنت کی کس دلیل یا ان کے کس اشارہ سے یہ بات اخذ کی ہے؟ اگر وہ کسی نص یا اشارہ کا حوالہ دے گا تو اس کی روشنی میں اس کا فیصلہ ہو گا اور اگر وہ حوالہ نہ دے سکے بلکہ محض اپنے وجدان یا ذوق یا تجربہ کو اس کی دلیل ٹھیرائے تو یہ بدعت ہو گی کیونکہ وہ دین کے حرم میں ایک ایسی چیز گھسا رہا ہے جس کے لئے اس کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔[3]

مفتی نعیمی، سید سلیمان ندوی اور مولانا اصلاحی کے ان اقتباسات سے واضح ہے کہ ان سب کے نزدیک بدعت کی تعریف پر اتفاق ہے یعنی ہر وہ چیز جو دین کی کسی دلیل سے ثابت نہ ہو مگر اسے دین میں شامل کیا جائے۔ مفتی نعیمی صاحب اسے اچھی اور بری بدعت کے خانوں میں تقسیم کرتے ہیں جبکہ ندوی و اصلاحی صاحبان کے نزدیک سب کی سب بدعتیں ہی بری ہیں۔ نقطہ نظر کے اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ متعدد ایسے امور ہیں جو سنی بریلوی حضرات کے نزدیک بدعت حسنہ ہونے کے باعث اچھے اور مستحسن ہیں جبکہ سلفی اور دیگر حضرات کے نزدیک وہ بدعت ہونے کے باعث غلط ہیں۔ ان میں سے بعض اہم مسائل یہ ہیں:

- اولیاء اللہ کی قبور پر مزارات کی تعمیر
- عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- مرنے کے بعد رسم قل، دسواں، چالیسواں وغیرہ
- بزرگان دین کے مزارات پر عرس منعقد کرنا
- اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا
- نماز کے بعد پابندی سے بلند آواز میں ذکر بالجہر کرنا
- بزرگوں کے پاؤں چومنا
- اذان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سننے پر انگوٹھے چومنا
- نماز جنازہ کے بعد الگ سے دعا کرنا

اس کتاب میں تمام مسائل پر فریقین کے دلائل کا جائزہ لینا تو ایک مشکل کام ہے تاہم اگلے ابواب میں ہم پہلے چار مسائل میں اس کا جائزہ لیں گے۔ اب ہم مسئلہ بدعت میں جانبین کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔

سنی بریلوی حضرات کے دلائل

آیت رہبانیت

سنی بریلوی حضرات کی پہلی دلیل آیت رہبانیت ہے:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَامَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلاَّ ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا

مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ.

"پھر ہم نے ان کے نقش قدم پر اپنے رسول بھیجے اور ان کے بعد عیسی بن مریم کو مبعوث فرمایا اور انہیں انجیل عطا کی۔ جن لوگوں نے ان کی پیروی کی، ان کے دلوں میں ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا۔ اور رہبانیت، انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی، اسے ہم نے ان پر فرض نہ کیا تھا، مگر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے [انہوں نے اسے ایجاد کر لیا]، پھر وہ اس کی پابندی کا جو حق تھا، اسے بھی ادا نہ کر سکے۔ ان میں سے جو لوگ ایمان لائے، ہم نے انہیں ان کا اجر دیا اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ (الحدید 57:27)

سنی بریلوی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ سیدنا عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کے پیروکاروں نے اللہ کی رضا کے لیے رہبانیت (ترک دنیا) کی جو بدعت ایجاد کر لی تھی، اللہ تعالی نے اس کی مذمت نہیں بلکہ تعریف کی ہے۔ اللہ تعالی نے مذمت اس بات کی ہے کہ انہوں نے اس رہبانیت کا حق ادا نہیں کیا۔ اس طریقے سے دین میں نیا راستہ نکالنا بشرطیکہ وہ کوئی اچھا کام ہو، مستحسن امر ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ انہوں نے جو اچھے امور ایجاد کیے ہیں، ان کی پابندی کریں۔[4]

سلفی حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے رہبانیت کی بدعت پیدا کرنے پر ان کی تعریف نہیں بلکہ مذمت فرمائی ہے۔ رہبانیت کوئی نیکی کا کام نہ تھا، جسے بطور بدعت حسنہ انہوں نے جاری کر لیا ہو۔ رہبانیت ایک برائی ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے مذمت فرمائی۔ بخاری و مسلم کی حدیث کے مطابق بعض صحابہ نے ہمیشہ روزہ رکھنے، رات بھر نماز پڑھنے اور شادی نہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے انہیں سختی سے اس سے منع فرمایا اور یہ الفاظ کہے: میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور اس کی حدود کا پاس رکھنے والا ہوں مگر میں روزے بھی رکھتا ہوں اور روزے چھوڑتا بھی ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور شادی بھی کرتا ہوں۔ یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"[5]

اللہ تعالی نے عیسائیوں کو جو اجر دیا، وہ ان کے ایمان اور عمل صالح کا تھا نہ کہ رہبانیت کا۔ آیت کریمہ میں جو یہ فرمایا ہے "کہ وہ اس کی پابندی کا جو حق تھا، وہ ادا نہ کر سکے" یہ عتاب پر عتاب ہے کہ انہوں نے ایک غلط کام کو اچھا سمجھ کر کیا، پھر اسے بھی نباہ نہ سکے اور ان کی آنے والی نسلوں نے ہر وہ حد توڑی جس کی پابندی رہبانیت کے قواعد کے مطابق ان پر لازم تھی۔

حدیث سے بدعت حسنہ کا ثبوت

سنی بریلوی حضرات کی دوسری دلیل یہ احادیث ہیں:

"من سن في الإسلام سنة حسنة، فله أجرها، وأجر من عمل بها بعده. من غير أن ينقص من أجورهم شيء. ومن سن في الإسلام سنة سيئة، كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده. من غير أن ينقص من أوزارهم شيء".

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھی سنت جاری کی، اس کے لیے اس کا اجر ہے اور جو کوئی بھی اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، اس کا اجر بھی ہے بغیر اس کے کہ بعد والوں کے اجر میں کوئی کمی کی جائے۔ اور جس شخص نے اسلام میں کوئی بری سنت جاری کی، اس پر نہ صرف اس کا گناہ ہو گا بلکہ جو بھی اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، اس کا گناہ بھی ہو گا بغیر اس کے ان کے گناہ میں کوئی کمی کی

جائے۔(مسلم، کتاب الزکوۃ، حدیث 1016)

وعن غضيف بن الحارث الثمالي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة فتمسك بسنة خير من إحداث بدعة. رواه أحمد.

غضیف بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی قوم جب کوئی بدعت نکالتی ہے تو اس کے مثل سنت اٹھالی جاتی ہے۔ اس وجہ سے سنت کو مضبوطی سے تھامنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔ (مشکوۃ و مسند احمد، باب اعتصام بالکتاب و السنہ)

اس دوسری حدیث کے بارے میں ناقدین بدعت کہتے ہیں کہ اس میں تو بدعت کی صریح مخالفت ہے کہ ایک بدعت پیدا ہونے سے سنت اٹھتی چلی جاتی ہے اور دین کے نام پر رسوم کا ایسا مجموعہ رہ جاتا ہے جس کی اصل دین میں نہیں ہوتی بلکہ لوگوں کی اپنی ایجادات ہوتی ہیں۔ سابقہ مذاہب کے ساتھ یہی ہوا تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کی جگہ لوگوں کے خود ساختہ طریقوں نے لے لی جس سے دین میں بگاڑ پیدا ہوا۔

پہلی حدیث کے متعلق بریلوی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ بدعت وہی بری ہے جو سنت کو مٹائے۔ اگر بدعت کسی نیک کام پر مشتمل ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے برعکس بدعت کے ناقدین کہتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سیاق وسباق سے کاٹ کر پیش کیا گیا ہے۔ پوری حدیث یوں ہے:

حدثني زهير بن حرب. حدثنا جرير بن عبدالحميد عن الأعمش، عن موسى بن عبدالله بن يزيد وأبي الضحى، عن عبدالرحمن بن هلال العبسي، عن جرير بن عبدالله. قال :جاء ناس من الأعراب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. عليهم الصوف. فرأى سوء حالهم قد أصابتهم حاجة. فحث الناس على الصدقة. فأبطؤا عنه. حتى رؤي ذلك في وجهه.قال: ثم إن رجلا من الأنصار جاء بصرة من ورق. ثم جاء آخر. ثم تتابعوا حتى عرف السرور في وجهه. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم "من سن في الإسلام سنة حسنة، فعمل بها بعده، كتب له مثل أجر من عمل بها. ولا ينقص من أجورهم شيء. ومن سن في الإسلام سنة سيئة، فعمل بها بعده، كتب عليه مثل وزر من عمل بها، ولا ينقص من أوزارهم شيء".ومن سن في الإسلام سنة سيئة، كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده. من غير أن ينقص من أوزارهم شيء".

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: کچھ دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے اون کا لباس پہن رکھا تھا۔ ان کی بدحالی دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ضرورت مند ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی مگر [تنگی کے باعث] لوگ اس پر عمل نہ کر سکے۔ اس کا اثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر محسوس ہوا۔ جریر کہتے ہیں: پھر انصار میں ایک شخص تھال میں چاندی بھر کر لے آیا۔ پھر دوسرا لے کر آیا۔ اس کے بعد تانتا بندھ گیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر خوشی کے اثرات نمایاں ہوئے۔ آپ نے فرمایا: جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھی سنت جاری کی، اس کے لیے اس کا اجر ہے اور جو کوئی بھی اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، اس کا اجر بھی ہے بغیر اس کے کہ بعد والوں کے اجر میں کوئی کمی کی جائے۔ اور جس شخص نے اسلام میں کوئی بری سنت

جاری کی، اس پر نہ صرف اس کا گناہ ہو گا بلکہ جو بھی اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، اس کا گناہ بھی ہو گا بغیر اس کے ان کے گناہ میں کوئی کمی کی جائے۔" (مسلم، کتاب الزکوۃ، حدیث 1016)

بدعت کے ناقدین کا کہنا ہے کہ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں اچھی سنت جاری کرنے کا مطلب کسی ایسے نیک کام پر عمل ہے جو پہلے سے ہی دین میں مشروع اور جاری ہے نہ کہ دین میں کوئی اضافہ کرنا۔ صدقہ و خیرات ایک دینی عمل ہے اور اس کا حکم قرآن مجید اور صحیح احادیث میں ہے۔ حدیث میں مذکور انصاری صحابی نے اس پر عمل کا آغاز کیا تو دیکھا دیکھی بقیہ صحابہ نے بھی اس پر عمل شروع کر دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی کہ جس نے اچھی سنت کا آغاز کیا، اسے بقیہ سب کے برابر بھی اجر ملے گا۔ یہاں دین میں کوئی نئی بدعت نکالنے کی بات زیر بحث نہیں ہے بلکہ کسی ایسے نیک عمل کی بات زیر بحث ہے جس کا حکم پہلے سے قرآن و سنت میں موجود ہے۔

نماز تراویح

سنی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ موجودہ صورت میں نماز تراویح بھی تو بدعت ہے جسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار کر لیا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

وعن ابن شهاب، عن عروة بن الزبير، عن عبد الرحمن بن عبد القاري أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب رضي الله عنه ليلة في رمضان إلى المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون، يصلي الرجل لنفسه، ويصلي الرجل فيصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أرى لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل، ثم عزم فجمعهم على أبي بن كعب، ثم خرجت معه ليلة أخرى والناس يصلون بصلاة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه، والتي ينامون عنها أفضل من التي يقومون، يريد آخر الليل، وكان الناس يقومون أوله.

عبدالرحمن بن عبدالقاری کہتے ہیں کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی جانب نکلا تو کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ متفرق طریقے سے نماز [تراویح] پڑھ رہے ہیں۔ کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے اور کچھ لوگ جماعت سے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری رائے ہے کہ انہیں ایک قاری کے ساتھ اکٹھا کر دوں تو بہتر ہو گا۔ پھر انہوں نے ان سب کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر اکٹھا کر دیا۔ اس کے بعد میں ان کے ساتھ ایک اور رات باہر نکلا تو لوگ اپنے قاری کے ساتھ نماز [تراویح] پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہ بدعت اچھی ہے۔ ہاں جسے چھوڑ کر یہ سوئے رہتے ہیں، وہ اس سے افضل ہے جو یہ کھڑے پڑھ رہے ہیں۔ ان کی مراد رات کے آخری حصے میں [تراویح / تہجد] تھی جبکہ لوگ رات کے اولین حصے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (بخاری، کتاب صلوۃ التراویح، حدیث 1903)

سنی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک امام کے پیچھے تراویح کی بدعت حسنہ ایجاد فرمائی جس سے ثابت ہوا کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے۔

بدعت کے مخالفین کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں کسی تبدیلی کا حق جلیل القدر صحابہ کو بھی نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محض اتنا کیا کہ لوگ الگ الگ یا جماعت میں جو نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے انہیں ایک امام کے پیچھے اکٹھا

کر دیا اور خود ان کے ساتھ نماز تراویح نہیں پڑھی بلکہ رات کے آخری حصے میں اسے پڑھنے کو ترجیح دی۔ یہ محض ایک تدبیری معاملہ تھا نہ کہ دین میں کوئی اضافہ۔ آپ نے یہاں "یہ بدعت اچھی ہے" کے جو الفاظ استعمال کیے، ان میں بدعت سے اس کا لغوی مفہوم مراد ہے یعنی نئی چیز۔ اس سے مراد وہ شرعی بدعت ہرگز نہیں ہے جو کہ زیر بحث ہے۔

عقلی دلائل

سنی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ امت مسلمہ کا تعامل نئے طریقوں کو اختیار کرنے کا ہے۔ قرآن کا جمع کرنا، حدیث اکٹھی کرنا اور اس کے لیے فن رجال اور جرح و تعدیل کا فن ایجاد کرنا، صرف و نحو کے فنون کی ایجادات، نئی ایجادات جیسے انٹرنیٹ کو دین کی دعوت و تبلیغ کے لیے استعمال کرنا یہ سب بدعت حسنہ ہی تو ہیں۔

بدعت کے مخالفین کہتے ہیں کہ یہ تمام معاملات دین کا حصہ نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق تدبیر سے ہے۔ جیسے جب کاغذ کا استعمال مسلم دنیا میں عام ہوا تو حدیث اور فقہ کو مدون کیا گیا۔ یہ ایک محض تدبیری معاملہ تھا۔ اب کاغذ کی جگہ الیکٹرانک کتب لیتی جا رہی ہیں تو انہیں استعمال کر لیا جائے گا اور کاغذی کتب متروک ہو جائیں گے۔ مستقبل میں کوئی اور ٹیکنالوجی دریافت ہو گئی تو اسے بھی استعمال میں لایا جائے گا۔ فن رجال، جرح و تعدیل اور دیگر فنون کو ضرورت پڑنے پر ایجاد کیا گیا۔ یہ کسی کے نزدیک دین کا حصہ نہیں ہیں بلکہ محض تدابیر ہیں۔ کل کو اگر کوئی اور تدابیر کی ضرورت پڑے گی تو انہیں اختیار کر لیا جائے گا اور جب ان کی ضرورت نہیں ہو گی تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ انہیں کوئی شخص بھی دین کا حصہ نہیں سمجھتا ہے۔

سلفی، دیوبندی اور ماورائے مسلک حضرات کے دلائل

مخالفین بدعت اپنے نقطہ نظر کی تائید میں یہ احادیث پیش کرتے ہیں:

وحدثني محمد بن المثنى. حدثنا عبدالوهاب بن عبدالمجيد عن جعفر بن محمد، عن أبيه عن جابر بن عبدالله ؛ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خطب احمرت عيناه، وعلا صوته واشتد غضبه. حتى كأنه منذر جيش، يقول: صبحكم ومساكم. ويقول. "بعثت أنا والساعة كهاتين". ويقرن بين أصبعيها لسبابة والوسطى. ويقول: "أما بعد. فإن خير الحديث كتاب الله. وخير الهدي هدي محمد. وشر الأمور محدثاتها. وكل بدعة ضلالة". ثم يقول: " أنا أولى بكل مؤمن من نفسه من ترك مالا فلأهله. ومن ترك دينا أو ضياعا فإلي وعلي"

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور اس میں جوش پیدا ہو جاتا گویا کہ آپ کسی لشکر سے خبردار فرما رہے ہیں جو صبح و شام حملہ کرنے والا ہے۔ آپ فرماتے: "میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔" یہ کہہ کر آپ اپنی درمیانی اور شہادت کی انگلیوں کو ملا کر اشارہ کرتے اور فرماتے: "اما بعد۔ بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین ہدایت محمد کی ہدایت ہے۔ بدترین امور یہ نئی نئی باتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" پھر فرماتے: "میں ہر مومن سے

قریب تر ہوں۔ جو مال وہ ترکے میں چھوڑے وہ اس کے گھر والوں کا ہے جبکہ اگر وہ کوئی قرض چھوڑے تو اسے ادا کرنا میری ذمہ داری ہے۔" (مسلم، کتاب الجمعہ، حدیث 1901)

حدثنا يعقوب: حدثنا إبراهيم بن سعد، عن أبيه، عن القاسم بن محمد، عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو رد.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے معاملے میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جس پر ہم نہیں ہیں، تو وہ مردود عمل ہے۔ (بخاری، کتاب الصلح، حدیث 2550)

مخالفین بدعت کا کہنا یہ ہے کہ کسی طرح کا اضافہ بھی دین میں جائز نہیں ہے۔ ہاں کسی دینی فریضہ کو انجام دینے کے لیے کوئی نئی تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے مگر اسے دین کا حصہ قطعی نہیں سمجھنا چاہیے۔ جیسے دعوت دین کا تقاضا ہے، اسے پورا کرنے کے لیے جدید ٹیکنالوجی استعمال کی جا سکتی ہے، جہاد ایک دینی عمل ہے، اس کے لیے نیا اسلحہ استعمال میں لایا جا سکتا ہے مگر اس ٹیکنالوجی یا اسلحہ کو دین کا حصہ سمجھنا بدعت ہو گا۔ جب یہ چیزیں متروک ہو جائیں گی تو پھر انہیں چھوڑ کر نئے دور کی ٹیکنالوجی کو اختیار کر لیا جائے گا۔

مخالفین بدعت کہتے ہیں کہ اگر دین میں کسی نیک عمل کا اضافہ جائز ہو تو پھر ایک نئی نماز، چند دنوں کے اضافی روزے، نماز میں تین سجدے اور حج میں ایک مزید دن کے اضافے میں کیا حرج ہے؟ اس طرح دین بازیچہ اطفال بن جائے گا اور جس کا جو جی چاہے گا، دین میں داخل کرتا رہے گا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا دین کامل نہیں ہے کہ اس میں مزید اضافہ کیا جائے؟

سنی بریلوی حضرات اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ عبادات میں وہی طریقہ اختیار کیا جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اس میں ذرہ برابر اضافہ درست نہیں ہے۔ غلام رسول سعیدی صاحب (b. 1937) لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اتباع اور آپ کی عبادات کے نمونہ ہونے کا تقاضا یہی تھا کہ آپ کے فعل پر کسی سابقہ اور لاحقہ کا اضافہ نہ کیا جائے۔ اس وجہ سے آپ سفر میں فرض سے پہلے سنتیں پڑھتے تھے نہ فرض کے بعد، حالانکہ فی نفسہ سنن اور نوافل پڑھنا اچھا کام ہے اور قرآن اور حدیث میں نفلی نمازوں کا ثبوت بھی ہے لیکن چونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک سفر کے موقع پر آپ کا سنن اور نوافل پڑھنا ثابت نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے سفر میں سنتیں نہیں پڑھیں اور سنتیں پڑھنے کو انہوں نے آپ کے نمونہ کے خلاف سمجھا۔ اس لیے بے خطر اور سلامتی کا طریقہ یہی ہے کہ سنت رسول اور طریق صحابہ کو دانتوں سے پکڑ لیا جائے اور اس میں سر مو کمی بیشی نہ کی جائے۔ اعلیٰ حضرت [احمد رضا خان بریلوی] سے سوال کیا گیا کہ کیا کفن مسنوں سے کچھ زیادہ چیزیں کفن میں رکھنا جائز ہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا: "مرد کے لیے کفن کے تین کپڑے اور عورت کے لیے پانچ۔ ان کے سوا کفنی میں کوئی اور تہبند یا رومال دینا بدعت و ممنوع ہے۔ سرمہ کنگھی اگر فقیر کو بطور صدقہ دیں تو حرج نہیں اور کفن میں رکھنا حرام ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد 4، ص 213)

اس عبارت سے آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور کو منضبط کر دیا ہے، ان میں کسی قسم کی زیادتی اور سابقہ ولاحقہ کا اضافہ کرنا ناجائز اور بدعت ہے۔

بعض لوگ آپ [نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم] کی بتائی ہوئی اور مقرر شدہ عبادات پر سابقہ یالاحقہ کا اضافہ فرض اور واجب سمجھ کر نہیں کرتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم یہ اضافہ آپ کی محبت میں کر رہے ہیں اور اس کو فرض نہیں سمجھتے اور اس خیال سے اس عمل کو دائما کرتے ہیں لیکن یہ طریقہ بھی صحیح نہیں ہے۔۔۔۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ نے صرف ایک بار آپ کے بتائے ہوئے طریقہ پر یہ اضافہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو ناپسند فرمایا۔ سوچیے اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ عبادات پر سابقہ یالاحقہ کے اضافوں کو دائما اور شب و روز کا معمول بنالیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناپسندیدگی کا کیا عالم ہو گا!!![6]

سعیدی صاحب نے یہ عبارت ان بریلوی حضرات کی اصلاح کے لیے لکھی ہے جو کثیر بدعات میں مبتلا ہیں۔

اسائنمنٹس

1. بدعت کی تعریف آپ کے خیال میں کیا ہے اور ایک عمل کے بدعت ہونے کے لئے کن لوازمات کا ہونا ضروری ہے؟
2. تراویح میں ختم قرآن، تراویح میں قرآن کا ترجمہ و تفسیر بیان کرنا، بیس رکعتیں متعین کرلینا، سالگرہ کرنا وغیرہ جیسے امور بدعت ہے یا نہیں؟ بحث کیجیے۔
3. بدعت کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں۔ نیز بدعت حسنہ اور بدعت سیہ کو اپنے خیال کے مطابق بیان کیجیے۔

---

[1] احمد یار خان نعیمی۔ جاء الحق، بدعت کی بحث۔ ص112۔

[2] سید سلیمان ندوی۔ اہل السنۃ والجماعۃ۔ ص11۔ کراچی: مجلس نشریات اسلام(1997) rahesunnat.wordpress.com (ac. 13 Oct 2011)

[3] امین احسن اصلاحی۔ تزکیہ نفس۔ ص138۔ فیصل آباد: ملک سنز۔(http://www.quranurdu.com(ac. 5 May 2008

[4] احمد یار خان نعیمی۔ حوالہ بالا۔ ص111۔

[5] بخاری۔ الجامع والصحیح۔ کتاب النکاح۔ حدیث4776۔ مسلم۔ الجامع والصحیح۔ کتاب النکاح۔ حدیث1501۔ http://www.almeshkat.net/books/ (ac. 3 Oct 2011)

[6] غلام رسول سعیدی۔ شرح صحیح مسلم۔ جلد2۔ کتاب صلوۃ المسافرین۔

باب 9: بزرگان دین کے مزارات

سلفی اور غیر سلفی حضرات میں ایک اہم اختلاف بزرگان دین کے مزارات کی تعمیر کا ہے۔ سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ مزارات کی تعمیر ناجائز ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں شرک پیدا ہوتا ہے۔ ایک زمانے میں عرب میں قبروں پر پختہ مزارات تعمیر کیے گئے تھے لیکن جب سلفی حضرات کو وہاں حکومت ملی تو انہوں نے ان مزارات کو منہدم کر دیا اور ہر قبر کو ایک بالشت کے برابر کر دیا۔ اس پر سنی بریلوی اور اہل تشیع حضرات انہیں شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اہل تشیع تو با قاعدہ "یوم انہدام جنت البقیع" مناتے ہیں۔

اس کے برعکس اہل تشیع اور سنی بریلوی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ مزارات کی تعمیر ایک مستحسن امر ہے کیونکہ اس سے صاحب قبر کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں بزرگان دین کے عقیدت مند مزارات کی تعمیر کرتے ہیں۔ سنی دیوبندی اور ماورائے مسلک حضرات کا نقطہ نظر ملا جلا ہے، بعض کے نزدیک مزارات کی تعمیر ایک جائز فعل ہے اور بعض اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔

ناقدین مزارات کے دلائل

سلفی حضرات اپنے نقطہ نظر کے حق میں یہ احادیث پیش کرتے ہیں:

حدثنا عبيد الله بن موسى، عن شيبان، عن هلال، هو الوزان، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال في مرضه الذي مات فيه: (لعن الله اليهود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مسجدا). قالت: ولولا ذلك لأبرزوا قبره، غير أني أخشى أن يتخذ مسجدا.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری مرض میں ارشاد فرمایا، جس میں آپ کی وفات ہوئی: "اللہ نے ان یہود و نصاری پر لعنت فرمائی جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔" سیدہ فرماتی ہیں: اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ آپ کی قبر مبارک کو بھی مسجد بنا لیں گے تو اسے ظاہر کر دیا جاتا۔ (بخاری، کتاب الجنائز، حدیث 1265)

حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة. حدثنا حفص بن غياث عن ابن جريج، عن أبي الزبير، عن جابر ؛ قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر. وأن يقعد عليه. وأن يبنى عليه.

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے، ان پر بیٹھنے اور ان پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا۔ (مسلم، کتاب الکسوف، حدیث 970)

وحدثني زهير بن حرب. حدثنا يحيى بن سعيد. حدثنا هشام. أخبرني أبي عن عائشة؛ أن أم حبيبة وأم سلمة ذكرتا كنيسة رأينها بالحبشة، فيها تصاوير، لرسول الله صلى الله عليه وسلم. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن أولئك، إذا كان فيهم الرجل الصالح، فمات، بنوا على قبره مسجدا، وصوروا فيه تلك الصور. أولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة".

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدہ ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک گرجا کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور اس میں تصاویر تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ جب ان میں کوئی نیک شخص مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر دیتے اور اس میں اس قسم کی تصاویر رکھ دیتے۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین مخلوق میں سے ہوں گے۔" (مسلم، کتاب المساجد، حدیث 529)

حدثنا يحيى بن يحيى وأبو بكر بن أبي شيبة وزهير بن حرب (قال يحيى: أخبرنا. وقال الآخران: حدثنا وكيع) عن سفيان، عن حبيب بن أبي ثابت، عن أبي وائل، عن أبي الهياج الأسدي. قال: قال لي علي بن أبي طالب: ألا أبعثك على ما بعثني عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟ أن لا تدع تمثالا إلا طمسته. ولا قبرا مشرفا إلا سويته.

ابو الہیاج الاسدی کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: "کیا میں تمہیں اس کام نہ بھیجوں جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا؟ کہ تم کوئی بت ایسا نہ چھوڑنا جسے توڑ نہ دو اور کوئی اونچی قبر ایسی نہ چھوڑنا جسے برابر نہ کر دو۔" (مسلم، کتاب الجنائز، حدیث 969)

ان احادیث کی بنیاد پر سلفی حضرات کہتے ہیں کہ قبروں کو پختہ بنانا، ان پر تعمیر کرنا اور ان پر عبادت گاہ بنانا حرام ہے کیونکہ سابقہ امتوں میں یہی ہوا تھا کہ نیک بندوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنانے سے ان میں شرک داخل ہو گیا تھا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس معاملے میں اتنے حساس تھے کہ آپ نے اپنی قبر مبارک کو بھی چھپا دینے کا حکم دیا تا کہ لوگ اس کو عبادت گاہ نہ بنا لیں۔ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اونچی قبروں کو برابر کروا دیا۔

اوپر حدیث میں جو قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا گیا ہے، سلفی حضرات اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ قبر کی مجاورت ممنوع ہے اور اس پر مجاور بن کر بیٹھنا حرام ہے۔ اسی طرح عمارت تعمیر کرنے کی جو حرمت حدیث میں بیان ہوئی ہے، اس سے مراد وہ یہ لیتے ہیں کہ قبر پر مزار کی عمارت تعمیر کی جائے۔

سنی بریلوی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ وہ ان احادیث کو مانتے ہیں مگر وہ ان کی توجیہ اس طرح سے کرتے ہیں کہ ان احادیث میں "مسجد" سے مراد عبادت گاہ نہیں بلکہ سجدہ گاہ ہے۔ ان کے نزدیک قبر کو سجدہ گاہ بنانا حرام ہے یعنی اس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھنا۔ قبر پر عمارت تعمیر کرنے سے مراد وہ یہ لیتے ہیں کہ عین قبر کے اوپر کوئی دیوار وغیرہ تعمیر کر لی جائے اور قبر پر بیٹھنے سے مراد وہ یہ لیتے ہیں قبر کے عین اوپر بیٹھنا منع ہے۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قبر پر دیوار تعمیر کرنے یا اس پر بیٹھنے سے قبر کی بے ادبی ہوتی ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کو مسمار کرنے کا حکم دیا تھا نہ کہ مسلمانوں کی۔ مسلمانوں کی قبروں کو اول تو اونچا بنانا نہیں چاہیے لیکن اگر بن گئی ہیں تو ان کا احترام کرتے ہوئے انہیں یونہی چھوڑ دینا چاہیے۔

سلفی حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ان احادیث سے واضح ہے کہ قبور سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان احکام کی وجہ یہ ہے کہ آپ شرک کا سد باب کرنا چاہتے تھے نہ کہ آپ قبروں کا ادب سکھا رہے ہیں۔ کیا قبر کے عین اوپر دیوار کی تعمیر کو

منع کرنے سے اور اس کے عین اوپر نہ بیٹھنے سے شرک کا سد باب ممکن ہے؟ ہمارے ہاں یہ عام رواج ہے کہ مزار کے ساتھ مسجد بھی تعمیر کر دی جاتی ہے چنانچہ بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ مزار کو جائے عبادت بنا لیتے ہیں اور اس سے مجاورین کا ایک طبقہ وجود میں آتا ہے جن کا کام ہی بس یہ ہوتا ہے کہ وہ قبر کی حفاظت کریں اور وہاں آنے والے زائرین کی آمدنی پر پلیں۔ سعودی عرب کے ایک سلفی عالم ڈاکٹر خلیل الہراس لکھتے ہیں:

ڈاکٹر صاحب نے جو قبریں بنانے، انہیں اونچا بنانے، ان پر قبے وغیرہ تعمیر کرنے اور ان کی زیارت کے لیے آنے جانے کا ذکر کیا ہے، اگرچہ یہ شرک نہیں ہے، لیکن شرک تک پہنچانے کا ذریعہ ضرور ہے، کیونکہ یہ امور ان قبروں کی تعظیم اور عبادت تک پہنچاتے ہیں، اسی وجہ سے اسلام نے انہیں حرام قرار دیا ہے اور قبروں کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیز قبروں کے اونچا کرنے، پختہ کرنے، ان پر مسجدیں بنانے اور چراغ جلانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے جسے اصحاب سنن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں اور ان پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔" ۔۔۔۔

اصول فقہ کا ایک عظیم اصول اور قاعدہ "سد ذرائع" ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کو حرام امور کے ارتکاب تک پہنچائے، وہ بھی حرام ہے۔ اسی قاعدہ کے پیش نظر حضور سرور کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ قبروں کی تعظیم اور عبادت کا ایک ذریعہ ہیں۔[1]

مزارات کے حامیوں کے دلائل

سنی بریلوی حضرات اپنے نقطہ نظر کے حق میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَاناً رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِداً. (الکہف 18:21)

"جب ان (اصحاب کہف) کے درمیان معاملے میں اختلاف ہو گیا۔ ایک گروہ نے کہا کہ تمہارا رب انہیں بہتر جانتا ہے، ہم ان پر کوئی نشانی تعمیر کر دیں گے۔ دوسرا گروہ جو کہ غالب آیا، اس نے کہا کہ ہم تو ان پر ضرور مسجد ہی تعمیر کریں گے۔"

سنی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے اصحاب کہف کی وفات کے بعد ان کی قبروں پر مسجد تعمیر کی اور قرآن نے بغیر تردید کے اس کا ذکر کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات تعمیر کرنا ایک مستحسن کام ہے۔ سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ناراضی کا اظہار کیا۔ دوسری طرف اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو مد نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ اس سے متعلق بخاری و مسلم کی احادیث اوپر گزر چکی ہیں۔

سنی بریلوی حضرات بعض احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

حدثنا عبد الوهاب بن نجدة، ثنا سعيد بن سالم، ح وثنا يحيى بن الفضل السجستاني، ثنا حاتم يعني ابن إسماعيل بمعناه، عن كثير بن زيد المدني، عن المطلب قال: لما مات عثمان بن مظعون أُخرجَ بجنازته فدفن، فأمر النبيُّ صلى اللّه عليه وسلم رجلاً أن يأتيه بحجر، فلم يستطع حمله، فقام إليها رسول اللّه صلى اللّه عليه وسلم وحسر عن ذراعيه، قال كثير: قال المطلب: قال الذي يخبرني ذلك عن رسول اللّه صلى اللّه عليه وسلم قال: كأني أنظر إلى بياض ذراعي رسول اللّه صلى اللّه عليه وسلم حين حسر عنهما، ثم حملها فوضعها عند رأسه وقال: "أتعلم بها قبر أخي، وأدفن إليه من مات من أهلي".

مطلب سے روایت ہے کہ جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان کا جنازہ دفن کرنے کے لیے نکالا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ ایک پتھر اٹھالائے۔ وہ اسے اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود کھڑے ہوئے اپنے ہاتھوں سے اسے اٹھالیا۔ مطلب کہتے ہیں کہ جس شخص نے ان سے یہ حدیث بیان کی، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتایا کہ [آپ کے بازو مبارک اتنے بلند ہوئے] گویا کہ میں آپ کے ہاتھوں کی سفیدی اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے اسے اٹھایا اور ان کی [قبر کے] سرہانے سے رکھ دیا اور فرمایا: "ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور انہیں اپنے اہل بیت کے ساتھ دفن کریں گے۔" (ابو داؤد، کتاب الجنائز، حدیث 3206)

سنی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ بزرگوں کی قبروں کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے انہیں پتھر سے پختہ بنایا جا سکتا ہے۔ سلفی حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اول تو یہ حدیث مرسل ہے۔ اسے بیان کرنے والے مطلب ایک تابعی ہیں اور انہوں نے جن سے یہ حدیث سنی ہے، ان کا نام نامعلوم ہے۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے یہ حدیث کسی صحابی سے سنی ہے یا درمیان میں کوئی اور تابعی ہیں جن کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ قابل اعتماد ہیں یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر حدیث کو درست مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبر پر کوئی نشانی لگانا جائز ہے۔ اس سے قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر مزارات تعمیر کرنے کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا ہے۔

سنی بریلوی حضرات کی دلیل یہ روایت بھی ہے:

ولما مات الحسن بن الحسن بن علي رضي الله عنهم، ضربت امرأته القبة على قبره سنة، ثم رفعت، فسمعوا صائحا يقول: ألا هل وجدوا ما فقدوا، فأجابه الآخر: بل يئسوا فانقلبوا.

جب حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کی وفات ہوئی تو ان کی اہلیہ نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۔ جب قبہ اٹھایا گیا تو لوگوں نے ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی: "کیا ان لوگوں نے جنہیں کھویا، انہیں واپس پایا؟" تو دوسری آواز نے جواب دیا: "بلکہ وہ ناامید ہو کر لوٹ گئے۔" (بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور)

بریلوی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی بہو نے اپنے خاوند کی وفات پر ان کی قبر پر قبہ بنا کر بیٹھی رہیں اور کسی صحابی نے

انہیں نہیں روکا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر پر تعمیر جائز ہے۔ سلفی حضرات کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ترجمۃ الباب (باب کی ہیڈنگ) میں درج کیا ہے اور اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی بلکہ یہ ایک تعلیق (معلق روایت جس کی سند نہ ہو) ہے۔ جن اسناد کی امام صاحب سند بیان نہیں کرتے، ان کا صحیح حدیث ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اگرچہ حافظ ابن حجر عسقلانی (773-852/1371-1448) نے اپنی کتاب "تغلیق التعلیق علی الصحیح البخاری" میں اس کی سند بیان کی ہے مگر وہ بھی محل نظر ہے۔ پھر امام بخاری نے اس روایت کو عین اس حدیث کے ساتھ درج کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور پر مساجد بنانے والوں پر اللہ کی لعنت کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے باب کا عنوان بھی یہی قائم کیا کہ قبور پر مساجد بنانا مکروہ ہے۔

اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو دوسری صحیح احادیث سے واضح ہے کہ انہوں نے ایک غلطی کی اور پھر غیبی آواز سن کر اپنے اس عمل سے رجوع کر لیا۔ قبہ سے مراد ان کے نزدیک خیمہ ہے جو انہوں نے اس لیے تان لیا تھا کہ وہاں بیٹھنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ رہا صحابہ کا اس سے منع نہ فرمانا تو یہ اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے شدید غم کی حالت میں ایسا کیا تھا اور دوسرا وہ قبر کے پاس کوئی شرکیہ فعل سرانجام نہ دے رہی تھیں۔ انہوں نے قبر پر کوئی عمارت تعمیر نہ کی تھی بلکہ محض ایک خیمہ لگایا تھا تاکہ وہ وہاں بیٹھ کر نیکی کا کوئی کام کر سکیں۔

سنی بریلوی حضرات کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ بھی تو موجود ہے۔ آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک تعمیر شدہ عمارت (حجرہ عائشہ) میں دفن کیا۔ اگر قبر کے ارد گرد تعمیر ممنوع ہوتی تو پہلے اس حجرہ کو گرایا جاتا۔ بعد کے ادوار میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کی تعمیر نو کی۔ سلفی حضرات کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرے میں دفن ہی اس وجہ سے کیا گیا تاکہ لوگ آپ کی قبر مبارک کو عبادت گاہ نہ بنالیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کے سوا اور کچھ نہیں کیا منہدم ہوتی ہوئی دیواروں کو دوبارہ تعمیر کر دیا۔ اگر یہ دیواریں منہدم ہو جاتیں تو پھر شرک کا وہی خطرہ آن موجود ہوتا جس کی وجہ سے آپ کی قبر مبارک کو چھپا دیا گیا تھا۔

بزرگان دین کا عرس

سنی بریلوی حضرات کے ہاں بزرگان دین کا عرس منایا جاتا ہے۔ عرس کا لغوی مفہوم ہے شادی۔ صوفیاء کے ہاں یہ تصور رہا ہے کہ وہ اپنی وفات کو شادی سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے خوشی کا موقع قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ موت ہی ہے جو انہیں اپنے محبوب اللہ تعالی سے ملاقات کا موقع فراہم کرتی ہے۔ اس وجہ سے ان صوفیاء کی تاریخ وفات پر ان کے مزار کے گرد عظیم الشان میلوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور لوگ دور دور سے ان مزارات کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ عرسوں میں بالعموم بہت سے غیر شرعی امور جیسے ناچ گانا وغیرہ ہوتے ہیں جنہیں سنی بریلوی حضرات بھی غلط کہتے ہیں اور ان سے منع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ عرس کے موقع پر جلسے ہوتے ہیں جن میں صاحب عرس کی سیرت کا بیان ہوتا ہے اور انہیں ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ (دیکھیے ایصال ثواب کی بحث)

سلفی حضرات کے دلائل

سلفی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ عرس بدعت ہے کیونکہ نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کا عرس منایا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے۔ بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ یہ بدعت حسنہ ہے، اس وجہ سے جائز ہے۔ جانبین کے دلائل کو آپ بدعت کی بحث میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ سلفی حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کی نیت سے سفر ناجائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے:

> **حدثني عمرو الناقد وزهير بن حرب. جميعا عن ابن عيينة. قال عمرو: حدثنا سفيان عن الزهري، عن سعيد عن أبي هريرة، يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: مسجدي هذا، ومسجد الحرام ومسجد الأقصى".**
>
> سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تین مسجدوں کے علاوہ کجاوے نہ کسے جائیں [سفر نہ کیا جائے]: ایک میری یہ مسجد، دوسری مسجد الحرام اور تیسری مسجد الاقصی۔" (مسلم، کتاب الحج، حدیث 1397)

سلفی حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی رو سے ان تین مساجد کے علاوہ تبرک اور زیارت کی نیت سے سفر جائز نہیں ہے۔ انسان اپنے دنیاوی کاموں کے لیے سفر کر سکتا ہے مگر زیارت اور تبرک کا سفر صرف انہی مساجد کی جانب کیا جانا چاہیے۔ سنی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ثواب کی نیت سے سفر صرف تین مساجد کی جانب کیا جائے کیونکہ باقی تمام مساجد میں ثواب برابر ہے۔ اس سے بزرگان دین کے مزارات کے سفر کی نفی نہیں ہوتی ہے۔

سلفی حضرات مزید یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

> **وعن أبي هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تجعلوا بيوتكم قبورا ولا تجعلوا قبري عيدا وصلوا علي فإن صلاتكم تبلغني حيث كنتم . رواه النسائي.**
>
> سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ اور میری قبر کو عید کا مقام مت بناؤ۔ مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تم جہاں بھی ہو، تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔" (مشکوۃ، باب التشہد)

سلفی حضرات کہتے ہیں کہ عید، عود یعنی لوٹنے سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب ہی وہ دن ہے جو لوٹ کر بار بار آئے۔ حدیث میں اس بات کی ممانعت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کو میلے کا مقام بنالیا جائے۔ جب آپ کی قبر انور کا یہ معاملہ ہے تو کسی اور بزرگ کی قبر کو میلے کا مقام بنانا کیسے جائز ہو گا۔ سنی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ یہاں عید کا مقام بنانے سے مراد یہ ہے کہ میری قبر پر جمع ہو کر عید کی طرح کھیل کود مت کرو بلکہ ادب سے حاضر ہو۔

سنی بریلوی حضرات کے دلائل

سنی بریلوی حضرات کا کہنا ہے کہ عرس بدعت حسنہ ہے اور اس کا مقصد بزرگان دین کی تعظیم اور ان کے کارناموں سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اسائنمنٹس

1. کیا قبر پکی کرنا اسلام میں جائز ہے؟ اس بارے میں فریقین کا نقطہ نظر بیان کیجیے۔
2. مزارات کیوں تعمیر کیے جاتے ہیں اور عرس کیوں ہوتے ہیں؟ اس کی وجہ فریقین کے نزدیک کیا ہے؟
3. مزارات پر ہونے والے جن امور کے بارے میں فریقین میں اتفاق پایا جاتا ہے کہ وہ شرک یا حرام ہیں تو عوام کو ان سے روکنے کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے؟
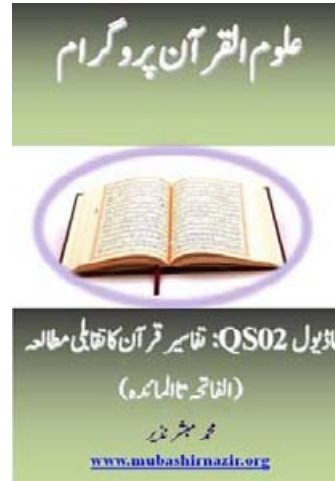
[1] محمد خلیل ہراس (ترجمہ: محمد خالد سیف)۔ وہابی تحریک۔ ص 22۔ فیصل آباد: طارق اکیڈمی۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

باب 10: عید میلاد النبی اور نذر و نیاز

اس باب میں ہم کچھ اہم مسائل پر گفتگو کریں گے جو سلفی اور غیر سلفی حضرات کے مابین وجہ نزاع ہیں۔ ان میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بزرگان دین کا عرس اور نذر و نیاز اور مرنے کی رسمیں شامل ہیں۔

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سلفی اور غیر سلفی حضرات میں ایک بڑا اختلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم ولادت پر عید کا جشن منانا ہے۔ سنی بریلوی حضرات کے ہاں یہ عام معمول ہے کہ بارہ ربیع الاول کا دن بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ ربیع الاول کا چاند نظر آتے ہی روزانہ جلسے شروع ہو جاتے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے متعلق روایات بیان کی جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ بارہ ربیع الاول کو اپنے عروج پر پہنچتا ہے جب تقریباً ہر اس شہر میں بڑے بڑے جلوس نکالے جاتے ہیں جہاں بریلوی آبادی موجود ہو۔ ان جلوسوں میں نعتیں پڑھی جاتی ہیں، وجد میں آ کر حال کھیلا جاتا ہے اور جلوس کے اختتام پر جلسے ہوتے ہیں جن میں تقاریر کی جاتی ہیں۔ سنی بریلوی حضرات اس عید منانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ سنی دیوبندی اور اہل حدیث حضرات کے ہاں ایسا نہیں ہوتا مگر ربیع الاول میں عموماً وہ سیرت النبی کے جلسے کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔

اہل حدیث اور سنی دیوبندی حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن کو بطور عید منانا ایک بدعت ہے جو بعد کے زمانوں میں ایجاد ہوئی۔ آپ کے اپنے مبارک دور میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت کے دن جشن منانے کا حکم دیا ہو۔ آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے کبھی ایسا نہیں کیا حالانکہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم سے زیادہ محبت تھی۔

واضح رہے کہ بعض جاہل عوام عید میلاد پر جو غیر شرعی کام کرتے ہیں، ان کی مخالفت سنی بریلوی علماء بھی کرتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کو ان کاموں سے روکتے ہیں۔ اس میں مثلاً عید میلاد کے دن مصنوعی پہاڑیاں بنانا، میوزک لگا کر رقص کرنا جیسے امور شامل ہیں۔

سنی بریلوی حضرات کے دلائل

سنی بریلوی حضرات اپنے نقطہ نظر کے حق میں یہ آیات پیش کرتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ. قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ

وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ.

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت آگئی ہے، اس میں سینوں [کے امراض] کی شفا، ہدایت اور مومنین کے لیے رحمت ہے۔ [اے نبی!] آپ فرمائیے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ملنے کے باعث انہیں چاہیے کہ وہ خوشیاں منائیں۔ یہ اس سے بہتر ہے جو وہ سمیٹ رہے ہیں۔" (یونس 10:57-58)

سنی بریلوی حضرات کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کا فضل اور رحمت ملنے پر مسلمانوں کو خوشی منانی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ اللہ تعالی کا فضل اور رحمت کیا ہو گی؟ اس وجہ سے وہ آپ کی تشریف آوری کے دن خوشیاں مناتے ہیں۔ سلفی حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ انہیں اس سے اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری اللہ تعالی کا بہت بڑا فضل اور رحمت ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اس انداز میں خوشی منائی اور کیا ایک ہی دن منائی؟ یہ تو ایسی رحمت ہے جس پر انسان کو ہر روز اور ہر وقت خوشی محسوس کرنی چاہیے۔

سنی بریلوی حضرات اپنے نقطہ نظر کے حق میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو انصار مدینہ نے آپ کا شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا اور جلوس کی صورت میں آپ کو لے کر شہر میں داخل ہوئے۔ سلفی حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ایسا ہو گیا مگر کیا انہوں نے ہر سال اس واقعے کی یاد میں جلوس نکالے؟

سنی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ میلاد کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر۔ اس میں کوئی برائی نہیں بلکہ یہ کار ثواب ہے۔ سابقہ انبیاء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کیا، صحابہ نے ایسا ہی کیا تو پھر اگر ہم یہ کرتے ہیں تو اعتراض کیوں؟ سلفی حضرات کہتے ہیں کہ اعتراض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر خیر پر نہیں ہے۔ یہ تو کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے اور باعث برکت ہے۔ اعتراض اس بات پر ہے کہ ایک دن کو مخصوص کر کے اسے عید کے طور پر منایا جائے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا نہیں کیا، اس وجہ سے یہ بدعت ہے۔ اس کے جواب میں بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ یہ بدعت حسنہ ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے بدعت کا باب دیکھیے۔)

وہ اپنے نقطہ نظر کے حق میں یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنْ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيداً لأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيرُ الرَّازِقِينَ.

"عیسی بن مریم نے عرض کیا: اے اللہ، ہمارے رب! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما تا کہ وہ ہمارے اولین و آخرین کے لیے عید اور تیری جانب سے نشانی قرار پائے اور تو ہی بہتر رزق عطا کرنے والا ہے۔" (المائدہ 5:114)

سنی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ جب کھانے کے نزول پر عید منائی جا سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے رسول کی تشریف آوری پر کیوں نہیں۔ سلفی حضرات کہتے ہیں کہ کھانے پر عید اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے مقرر فرمائی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری بہت بڑی نعمت ہے مگر چونکہ خود آپ اور آپ کے صحابہ نے اس پر عید نہیں منائی لہذا ہمیں اس معاملے میں دین میں اضافے کا کوئی حق نہیں ہے۔

سلفی حضرات کے دلائل

سلفی حضرات کی دلیل اس معاملے میں وہی حدیث ہے جو بدعت کے باب میں گزر چکی ہے کہ "ہر بدعت گمراہی ہے"۔ ان کا استدلال یہی ہے کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے عید نہیں منائی، اس وجہ سے ہمیں بھی ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، بدعت کا باب) سلفی عالم علامہ احسان الٰہی ظہیر (1987-1945) لکھتے ہیں:

> خود عہد نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی عزیز کی عید میلاد نہیں منائی اور نہ ہی ان کی وفات کے بعد قل وغیرہ کروائے۔ آپ کے بیٹوں اور بیٹیوں، آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی وفات آپ کی زندگی میں ہوئی، مگر آپ نے موجودہ رسموں میں سے کوئی رسم ادا نہیں کی۔ اگر ان رسموں کا کوئی فائدہ ہوتا یا ایصال ثواب کا ذریعہ ہوتیں تو آپ ضرور عمل فرماتے اور صحابہ کرام کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔
>
> اگر کسی کی قبر پر عرس وغیرہ کرنا باعث ثواب اور حصول برکات کا سبب ہوتا تو خلفائے راشدین کسی صورت میں بھی اس سے محروم نہ رہتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان سے زیادہ محبت کس کو ہو سکتی ہے؟ مگر ان میں کسی سے بھی اس قسم کے اعمال ثابت نہیں۔ معلوم ہوا، یہ سب رسمیں کسب معاش کے لیے وضع کی گئی ہیں، ثواب و برکات حصول محض دھوکہ ہے۔۔۔
>
> جہاں تک عید میلاد کا تعلق ہے تو یہ ساتویں صدی ہجری میں ایک بدعتی بادشاہ مظفر الدین کی ایجاد ہے۔۔۔ عید میلاد صرف عیسائیوں کی مشابہت میں جاری کی گئی ہے، اسلامی شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔[1]

نذر و نیاز

اس بات پر سلفی، سنی دیوبندی اور سنی بریلوی سبھی کا اتفاق ہے کہ نذر شرعی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو سکتی ہے کیونکہ یہ عبادت ہے۔ نذر کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کر دے یا کھانے پینے کی کوئی چیز بطور تقرب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کرے اور پھر خیرات کر دے۔ اس بات کو بریلوی بھی مانتے ہیں کہ نذر شرعی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بزرگ سے تقرب کے لیے ان کے نام پر قربانی کرے یا کھانے پینے کی کوئی چیز پیش کرے تو یہ حرام ہے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

> غیر اللہ کے لیے نذر فقہی کی ممانعت ہے۔ اولیائے کرام کے لیے ان کی حیات ظاہری خواہ باطنی میں جو نذریں کہی جاتی ہیں، یہ نذر فقہی نہیں، عام

محاورہ ہے کہ اکابر کے حضور جو ہدیہ پیش کریں، اسے نذر کہتے ہیں۔ بادشاہ نے دربار کیا، اسے نذریں گزریں۔[2]

اس کے علاوہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سنی بریلوی حضرات قربانی یا خیرات کر کے اس کا ایصال ثواب بزرگان دین کو کر دیتے ہیں۔ عام بول چال میں اسے "نذر و نیاز" کہا جاتا ہے۔ سلفی حضرات کے نزدیک یہ عمل بدعت ہونے کے باعث ناجائز ہے جبکہ سنی بریلوی حضرات کے نزدیک یہ عمل بدعت حسنہ ہونے کے باعث جائز اور مستحسن ہے۔ جانبین کے دلائل کو آپ ایصال ثواب اور بدعت کی بحثوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

میت کی رسوم

برصغیر کے عوام میں یہ عام رواج ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اس کے فوت ہونے کے تیسرے، ساتویں، دسویں اور چالیسویں دن بڑی پابندی سے قرآن مجید ختم کروایا جاتا ہے، اذکار پڑھے جاتے ہیں، کھانا پکایا جاتا ہے اور اس کا ایصال ثواب میت کو کر دیا جاتا ہے۔ سنی بریلوی حضرات کے نزدیک یہ کام بدعت حسنہ ہونے کے باعث مستحسن ہیں۔ سلفی حضرات کا اس معاملے میں یہی موقف ہے کہ یہ سب کام نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیے اور نہ ہی آپ کے صحابہ نے۔ مرنے والے کے لیے دعا ضرور کرنی چاہیے مگر اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ یہ سب کام بدعت ہیں اور اس وجہ سے ناجائز ہیں۔

اسائنمنٹس

1. اگر اولاد کی ولادت پر خوشی منانا جائز ہے تو محسن انسانیت کی پیدائش پر جشن ممنوع کیوں؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر جشن منانا صحابہ کے آثار سے ثابت ہوتا ہے؟ بحث کیجیے۔
2. قرآن میں آتا ہے کہ وہ جانور بھی خنزیر ہی کی طرح حرام ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ کیا اس کا اطلاق پھل، سبزی، کٹا ہوا گوشت، چاول اور مشروبات پر بھی ہوتا ہے؟
3. محرم میں نذر حسین کا حلیم، گیارہویں کا کھانا، چہلم کی نیاز وغیرہ کا کھانا، اس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ بیان کیجیے۔
4. تیجہ یا سوئم، چالیسواں وغیرہ ہندو رسومات ہیں لیکن کیا یہ اسلام میں استعمال کی جا سکتی ہیں۔ بحث کیجیے۔

[1] احسان الٰہی ظہیر۔ البریلویہ۔ آن لائن ورژن۔ ص125۔ (www.kitabosunnat.com (ac. 3 Oct 2011

[2] احمد رضا خان بریلوی۔ فتاوی افریقہ۔

باب 11: ماورائے مسلک مسلمان اور ان کے نظریات

اب تک ہم سلفی اور غیر سلفی حضرات کے اختلافات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اس باب میں ہم ماورائے مسلک مسلمانوں اور ان کے نظریات کا مطالعہ کریں گے اور دیکھیں گے کہ وہ سلفی اور غیر سلفی حضرات سے کن امور پر اختلاف کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ماورائے مسلک مسلمان سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں جو کسی مخصوص مسلک پر یقین نہیں رکھتے ہیں بلکہ خود کو ان مسلکی حدبندیوں سے ماوراء سمجھتے ہیں۔ ہماری اس تعریف میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں جو ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتے یا حدیث و سنت کا انکار کرتے ہیں۔ اس میں وہ گروہ بھی شامل نہیں ہیں جو سبھی فرقوں کی تردید اور تکفیر کرتے کرتے خود ایک الگ فرقہ بن جاتے ہیں اور اپنی مساجد اور معاملات الگ کر لیتے ہیں۔

ماورائے مسلک مسلمان کوئی ایک منظم گروہ نہیں ہے۔ اس میں متعدد انفرادی علماء اور ان کے معتقدین کے حلقے، بعض صوفی گروہ، اور ایسی تحریکیں شامل ہیں جو خود کو کسی ایک مسلک سے وابستہ نہیں سمجھتیں۔ اس کے علاوہ ہم ان عام دنیادار لوگوں کا شمار بھی ان میں کر سکتے ہیں جنہیں مسلکی اختلافات کا زیادہ علم نہیں ہے۔ ماورائے مسلک مسلمانوں میں زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ لوگ شامل ہیں۔

تمام ماورائے مسلک مسلمانوں کے نظریات ایک جیسے نہیں ہیں، اس وجہ سے ان کا موازنہ دیگر مسالک سے بحیثیت ایک گروہ کے نہیں کیا جا سکتا ہے البتہ ان میں چند ایسی خصوصیات ہیں جو انہیں مختلف مسالک سے وابستہ لوگوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ ان کے عقائد و نظریات کا تفصیلی جائزہ ہم قدامت پرست اور جدت پسند مسلمانوں سے متعلق ماڈیول میں لیں گے مگر یہاں ہم ان کی امتیازی خصوصیات کا ذکر کریں گے جو انہیں مسالک سے وابستہ لوگوں سے ممتاز کرتی ہیں۔

پہلا فرق یہ ہے کہ مسالک سے وابستہ لوگ اپنے اپنے مسلک اور ان کی اہم شخصیات سے شدید محبت و عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی زندگیوں کو مسلک کی بقا کے لیے وقف کرتے ہیں۔ اپنے مسلک کے دفاع کو وہ اسلام کا دفاع اور اس کی بقا کو اسلام کی بقا سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس ماورائے مسلک مسلمان اسلام کو مسلک اور فرقے سے ماورا سمجھتے ہیں۔ یہ کسی مخصوص مسلک کی تائید نہیں کرتے ہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مسالک سے وابستہ لوگ بالعموم اپنے سے مختلف نقطہ نظر کو برداشت نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک مسلکوں کی جنگ، اسلام اور کفر کی جنگ ہوا کرتی ہے۔ دوسرے مسلک کے پھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک پھیل رہا ہے یا بدعات فروغ پا رہی ہیں۔ چنانچہ یہ ہر قیمت پر دوسرے مسلک کے پھیلاؤ کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے دین کی صحیح خدمت تصور کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ماورائے مسلک مسلمانوں کی پالیسی "جیو اور جینے دو" کی رہی ہے۔ یہ لوگ پلورل ازم (Pluralism) پر یقین رکھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی معاملے میں ایک سے زائد نقطہ ہائے نظر موجود ہو سکتے ہیں اور ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دلائل کی بنیاد پر جس نقطہ نظر کو چاہے اختیار کر لے۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ ماورائے مسلک حضرات عام طور پر ان مسائل کو اپنی تقریر و تحریر کا موضوع نہیں بناتے ہیں جو کہ مختلف مسالک کے لیے کفر و ایمان اور زندگی و موت کا مسئلہ ہیں۔ ویسے زیادہ تر ماورائے مسلک حضرات، ان اختلافی عقائد میں سلفی نقطہ نظر کے قریب ہیں۔ یہ مانتے ہیں کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے، صرف وہی حاضر و ناظر ہے اور اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔ یہ لوگ مزارات پر جا کر وہ رسوم انجام نہیں دیتے جو کہ سلفی حضرات کے نزدیک شرک وبدعت کے دائرے میں آتی ہیں۔ ان سب کے باوجود ماورائے مسلک حضرات ایک جانب خود کو سبھی مکاتب فکر سے الگ رکھتے ہیں اور دوسری طرف سب سے ملتے جلتے ہیں، سبھی کے ساتھ نماز پڑھ لیتے ہیں، ان سے رشتہ داریاں کرتے ہیں، اور انہیں اپنا مسلمان بھائی سمجھتے ہیں۔

چوتھا فرق یہ ہے کہ عام طور پر ہر مسلک نے اپنی اپنی مساجد الگ بنالی ہیں اور ان میں کسی اور دعوت و تبلیغ کی اجازت نہیں دیتے۔ یہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ اس کے برعکس ماورائے مسلک مسلمانوں کی اپنی الگ مساجد نہیں ہیں۔ یہ ہر مسلک کی مسجد میں نماز ادا کر لیتے ہیں۔

پانچواں فرق یہ ہے کہ ماورائے مسلک حضرات نے زیادہ تر اپنی تقریر و تحریر کا موضوع ان مسائل کو بنایا ہے جو دین اسلام کو بحیثیت مجموعی درپیش ہیں جیسے مستشرقین کے اسلام پر اعتراضات اور ان کا جواب، قرآنی علوم، حدیث سے متعلقہ علوم، دور جدید میں پیدا ہونے والے فقہی مسائل، جدید اسلامی سیاسیات و معاشیات، جدید فلسفہ کے اسلام پر اعتراضات اور ان کا جواب، تاریخ اسلام وغیرہ وغیرہ۔ اس کے برعکس مسالک سے وابستہ افراد نے زیادہ تر ان موضوعات پر لکھا ہے جو ان کے مسلکی اختلافات پر مبنی ہیں۔ مسالک سے وابستہ بعض علماء نے بھی ان گلوبل مسائل پر لکھا ہے البتہ ان کی تعداد کم رہی ہے۔ اب اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

چھٹا فرق ان ماورائے مسلک حضرات کے تفردات ہیں۔ بعض ایسے مسائل ہیں جن میں تمام مسالک ایک نقطہ نظر پر متفق ہیں مگر ماورائے مسلک حضرات کے بعض لوگوں کی رائے ان سے کچھ مختلف اور منفرد ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمام کے تمام مسالک مل کر ان افراد کی تردید کرتے ہیں۔

ساتواں فرق یہ ہے کہ مسالک سے وابستہ افراد اپنے اپنے اکابرین کو مانتے ہیں اور ان کے فیصلوں کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ ہر مسلک میں کچھ شخصیات ایسی ہیں جو اس مسلک کے بڑے علماء کہلاتے ہیں، بقیہ لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ماورائے مسلک حضرات میں ایسی کوئی متفق علیہ شخصیات نہیں ہیں۔ یہ لوگ سبھی مکاتب فکر کی شخصیات کا احترام کرتے ہیں، ان کے علمی کام سے استفادہ کرتے ہیں مگر اپنے ذہن سے سوچتے ہیں اور سابقہ علماء سے اختلاف رائے بھی کر لیتے ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو ماورائے مسلک حضرات اور مسالک سے وابستہ افراد کے درمیان بنیادی اختلافی مسائل یہ ہیں:

- کیا خود کو کسی مسلک سے وابستہ کرنا ضروری ہے؟
- جس شخص کے عقائد ہمارے نزدیک غلط ہوں، کیا اس پر کفر کا فتویٰ عائد کرنا ضروری ہے؟

- جن افراد کے عقائد و اعمال میں کوئی غلطی ہو، کیا ان کے ساتھ ملنا جلنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟
- کیا کسی مسئلے میں انفرادی رائے اختیار کی جا سکتی ہے؟

ان مسائل کے علاوہ ماورائے مسلک حضرات اور مسالک سے وابستہ مسلمانوں میں سب سے بڑا اختلافی مسئلہ اجتہاد اور تقلید کا ہے۔ اس کی تفصیل کا مطالعہ ہم ماڈیول CS07 میں کریں گے۔

اوپر بیان کردہ مسائل کے بارے میں اس سطح کا لٹریچر موجود نہیں ہے جیسا کہ سابقہ مسائل میں موجود ہے، مگر جو کچھ جانبین کی تحریروں میں بکھرا پڑا ہے، اس کا ہم جائزہ لیتے ہیں۔

مسلک اور فرقہ سے وابستگی

ہر مسلک اور فرقہ سے وابستہ لوگوں کا یہ نقطہ نظر ہے کہ انسان جس مسلک کو درست سمجھے، اسے اس کے ساتھ پوری طرح وابستہ ہو جانا چاہیے اور اس مسلک کا نام اپنا لینا چاہیے۔ مسالک سے وابستہ لوگ چونکہ اپنے مسلک کو حق اور دوسروں کو غلط سمجھتے ہیں، اس وجہ سے ان کے ہاں اپنے مسلک سے وابستگی آخری درجے میں ہوتی ہے اور دوسرے مسالک کو بڑی مشکل برداشت کیا جاتا ہے۔ اگر ایک مسلک کو کسی مقام پر قوت و اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہے کہ ہر اس مسلک کو، جسے وہ غلط سمجھتا ہو، دبانے کی ہر ممکن کوشش کرے اور اس کے لیے حکومت کے تمام وسائل سے کام لے۔ مسالک سے وابستہ بعض حضرات تو دوسرے مسالک کے لوگوں کا قتل بھی جائز سمجھتے ہیں اور ان کی مساجد میں خودکش حملوں کو کار ثواب سمجھتے ہیں۔

اس کے برعکس ماورائے مسلک حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہمیں وہی ٹائٹل اختیار کرنا چاہیے جو اللہ تعالی نے ہمیں دیا ہے یعنی کہ "مسلم"۔ مسلمان کوئی فرقہ یا گروہ نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص کو مسلم کہا جائے گا جس نے اپنا سر اللہ تعالی کے حکم کے آگے جھکا اور اس کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر وہ ایمان لے آیا۔ اگر کوئی شخص ہمارے خیال میں کسی غلط عقیدے یا عمل میں مبتلا ہے تو اسے خیر خواہی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر وہ مان جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اس ضمن میں حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ کسی پر اپنا مسلک مسلط نہ کرے بلکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تحت ایسی نیکیوں کو ترویج دے جسے تمام مسلمان نیکی مانتے ہیں جیسے نماز، زکوۃ، عدل وغیرہ اور ایسی برائیوں سے منع کرے جو تمام مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ ہیں جیسے ناانصافی، ظلم وغیرہ۔

مسالک سے وابستہ افراد کے دلائل

مسلک سے وابستہ لوگوں کے دلائل یہ ہیں:

وَمَنْ يُشَاقِقْ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيراً.

"جو شخص رسول کی مخالفت کرتا ہے بعد اس کے کہ ہدایت کو اس کے لیے واضح کر دیا گیا ہے اور مسلمانوں کے راستے سے ہٹ کر راستہ اختیار کرتا ہے، تو اسے ہم اسی جانب چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا ہے اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جگہ ہے۔" (النسا4:115)

مسالک سے وابستہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان جس راہ پر چل رہے ہوں، سبھی کو اسی راہ پر چلنا چاہیے، جو ایسا نہ کرے، وہ غلط اور گمراہ ہے۔ ماورائے مسلک لوگ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کی اکثریت گناہوں اور فسق و فجور میں پڑ جائے تو کیا اس آیت کا حکم یہ ہے کہ پھر بھی انہی کی پیروی کی جائے؟ ایسا نہیں ہو سکتا اس لیے یہ واضح ہے کہ آیت میں سبیل المومنین سے مراد دین ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہوتی ہے۔

ماورائے مسلک حضرات کے دلائل

اپنے نقطہ نظر کے حق میں ماورائے مسلک حضرات یہ آیت پیش کرتے ہیں:

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيداً عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ.

"اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہارا انتخاب کر لیا ہے اور دین میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں چھوڑی۔ یہ تمہارے والد ابراہیم کا دین ہے۔ اس نے تمہارا نام اس سے پہلے بھی اور اب بھی مسلم ہی رکھا ہے تا کہ رسول تم پر گواہ ہو جائیں اور تم انسانوں پر گواہ ہو جاؤ۔ تو نماز قائم کرو، زکوۃ دو، اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے تھامے رہو، وہی تمہارا مولا ہے، کتنا ہی اچھا مولا اور کتنا ہی اچھا مددگار۔" (الحج22:78)

ماورائے مسلک حضرات کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں اپنا نام "مسلم" ہی رکھنا چاہیے اور دوسرے مسلمانوں کے بارے میں اچھے گمان سے کام لینا چاہیے۔ اگر ان میں کوئی غلطی نظر آئے تو اس کی احسن انداز میں اصلاح کر دینی چاہیے اور دوسروں کی غلطیوں کی بجائے اپنی غلطیوں کی اصلاح کی زیادہ فکر کرنی چاہیے۔

مسالک سے وابستہ لوگ ماورائے مسلک حضرات کی اس پالیسی پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ ایسا کر کے وہ ایک نئے فرقے کا اضافہ کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں وہ ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ فرض کیجیے کہ کسی مقام پر مسلمانوں کے تین فرقے موجود ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ ہم ان تینوں سے الگ ہیں اور خود کو صرف مسلمان کہلائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہاں عملاً چار فرقے بن جائیں گے، تین روایتی اور چوتھے وہ جو خود کو "صرف مسلمان" کہلاتے ہیں۔ ماورائے مسلک حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ایسا اس وقت ہو گا جب خود کو صرف مسلمان کہلانے والے باقی سب کو گمراہ اور بے دین قرار دیں، ان سے اپنی مساجد الگ کر لیں، ان کی دن

رات تردید کرتے رہیں اور ان سے رشتے ناطے توڑ لیں۔ اس کے برعکس اگر وہ سب سے ملیں گے، ان تک مثبت انداز میں اپنا پیغام پہنچائیں گے، ان کے ساتھ نماز پڑھیں گے تو اس سے کسی نئے فرقے کا اضافہ نہ ہو گا۔

یہاں یہ بات بیان کرنا ضروری ہے کہ اسی آیت کی بنیاد پر "جماعت المسلمین" نامی ایک گروہ نے ہر طرح کی فرقہ بندی کو شرک قرار دیتے ہوئے ان تمام مسالک سے علیحدگی اختیار کی ہے۔ اس کتاب میں ہم نے ان کا شمار ماورائے مسلک افراد میں نہیں کیا کیونکہ وہ باقی سب مسالک سے الگ اپنی مساجد تعمیر کرتے ہیں اور الگ زندگی بسر کرتے ہیں۔

کفر کا فتویٰ

تمام مسالک سے وابستہ افراد کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی شخص پر کفر کا فتویٰ عائد کرنا آسان کام نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو مسلمانوں کی برادری سے خارج کر دیا گیا ہے۔ اس سے متعلق ایک حدیث بھی ہے جس میں کسی مسلمان کو کافر قرار دینے پر شدید وعید سنائی گئی ہے۔ حدیث یہ ہے۔

> حدثنا محمد وأحمد بن سعيد قالا: حدثنا عثمان بن عمر: أخبرنا علي بن المبارك، عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا قال الرجل لأخيه يا كافر، فقد باء به أحدهما.

> ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے بھائی کو "اے کافر" کہہ کر پکارتا ہے تو وہ کفر ان دونوں میں سے ایک جانب پلٹ آتا ہے۔ (بخاری، کتاب الصوم، حدیث 1852)

اس حدیث سے معاملے کی نزاکت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص کو کافر کہا گیا ہے، اگر وہ کافر نہیں ہے تو پھر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص کے بیان کی سو طریقے سے توجیہ کی جا سکتی ہو، ان میں سے 99 توجیہات کفریہ مفہوم رکھتی ہوں اور صرف ایک توجیہ ایمان کے مطابق ہو تو اس شخص کو کافر نہ کہا جائے۔

اس احتیاط کے باوجود مسالک سے وابستہ بہت سے لوگوں کے ہاں یہ عام معمول ہے کہ وہ خود سے مختلف رائے رکھنے والے کے لیے کافر، مشرک، بے دین، گمراہ، فاسق، فاجر اور بدمذہب کے الفاظ عام استعمال کرتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ دوسری جانب سے بھی پیش آتا ہے۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ جس شخص یا گروہ کے عقائد ان کے خیال میں غلط ہوں، وہ لازماً اس شخص یا گروہ کی غلطی کو واضح کر دیں تاکہ دوسرے لوگ گمراہی سے محفوظ رہ سکیں۔ اس کے حق میں وہ سابق مسلم علماء کے طرز عمل کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جنہوں نے بعض افراد کو کافر قرار دیا۔

اس کے برعکس ماورائے مسلک حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کو کافر قرار دینے سے پرہیز کرنا چاہیے اور ایک دوسرے کے لیے اوپر بیان کردہ منفی القابات سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کے باہمی اختلافات تاویل کے

اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ شرک کوئی بڑی اچھی چیز ہے یا شان رسالت میں گستاخی بڑا نیکی کا کام ہے۔ جو لوگ ایک فریق کے خیال میں شرک میں مبتلا ہیں، وہ اپنے عقائد و افعال کو شرک نہیں سمجھتے بلکہ ان کے خیال میں یہ عقائد و افعال توحید سے متصادم نہیں ہیں۔ اگر ان کی سمجھ میں یہ بات آ جائے یہ عقائد یا افعال شرک ہیں تو وہ فوراً انہیں چھوڑ دیں گے۔ اسی طرح دوسرے فریق کے خیال میں جو لوگ شان رسالت میں گستاخی کے مرتکب ہیں، وہ ان عبارات کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے وہ عبارتیں گستاخانہ نہیں رہ جاتیں۔ اگر ان پر یہ واضح ہو جائے کہ یہ عبارتیں گستاخانہ ہیں تو وہ ان سے فوراً توبہ کر لیں۔

ماورائے مسلک حضرات کے نزدیک کفر کا فتویٰ عائد کرنے کا منصب صرف اور صرف حکومت کی اتھارٹی کے تحت ہونا چاہیے تاکہ اس کا نہ تو غلط استعمال ہو سکے اور نہ ہی مسلمانوں میں پھوٹ پڑ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ماورائے مسلک حضرات کی غالب اکثریت پاکستانی پارلیمنٹ کے اس فیصلے کی توثیق کرتی ہے جس کے تحت احمدی حضرات کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا مگر وہ مختلف مسالک سے وابستہ انفرادی علماء کے ایک دوسرے پر جاری کردہ کفر کے فتاویٰ کی تائید نہیں کرتی ہے۔

دوسرے مسالک سے قطع تعلق

مسالک سے وابستہ کٹڑ لوگ اس بات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ جو افراد ان کے خیال میں کسی گمراہی میں مبتلا ہوں، ان سے وہ قطع تعلق کر لیں، ان سے رشتے ناطے توڑ لیں، ان سے اپنی مساجد الگ کر لیں، ان سے نفرت کریں اور ان سے الگ تھلگ زندگی گزاریں۔ بعض لوگ اس انتہا تک چلے جاتے ہیں کہ ان کے نزدیک مخالف مسلک کے کسی فرد سے ہاتھ ملانے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر پنجاب کا ایک سچا واقعہ پیش کرنا غیر مناسب نہ ہو گا۔ ایک مسلک سے تعلق رکھنے والے ایک مولوی صاحب نے یہی فتویٰ دیا کہ مخالف مسلک کے کسی فرد سے ہاتھ ملانے والے کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ مخالف مسلک کے ایک مولوی صاحب تک جب یہ بات پہنچی تو وہ اگلے جمعہ کے دن فتویٰ دینے والے صاحب کی مسجد کے باہر کھڑے ہو گئے اور ہر نمازی سے ہاتھ ملانے لگے۔ کسی نے استفسار کیا تو فرمایا: ان کے نکاح توڑ رہا ہوں۔

ماورائے مسلک حضرات اور مسالک سے وابستہ اعتدال پسند افراد بھی اس نقطہ نظر کو درست نہیں سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کو مل جل کر رہنا چاہیے، ایک دوسرے کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے چاہییں، مل کر نمازیں پڑھنی چاہییں اور اچھا رویہ رکھنا چاہیے۔

مسالک سے وابستہ حضرات کے دلائل

مسالک سے وابستہ افراد کی دلیل یہ آیات اور احادیث ہیں:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذاً مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعاً.

"ہم نے اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ جب تم یہ سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ اس وقت تک نہ بیٹھو جب تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مصروف نہ ہو جائیں ورنہ تم انہی کی مثل ہو جاؤ گے۔ یقیناً اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے۔" (النساء4:140)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُواً وَلَعِباً مِنْ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ.

"اے اہل ایمان! تم سے پہلے کے اہل کتاب اور کفار میں سے جن لوگوں نے اپنے دین کو مذاق اور کھیل کو د بنا لیا ہے، انہیں دوست مت بناؤ۔ اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔" (المائدۃ5:57)

وحدثني محمد بن عبدالله بن نمير وزهير بن حرب. قالا: حدثنا عبدالله بن يزيد. قال: حدثني سعيد بن أبي أيوب. قال: حدثني أبو هانئ، عن أبي عثمان مسلم بن يسار، عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ أنه قال "سيكون في آخر أمتي أناس يحدثونكم ما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم. فإياكم وإياهم".

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے بعد کے زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو تم سے ایسی احادیث بیان کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباؤاجداد نے۔ ان سے بچ کر رہنا۔ (مسلم، مقدمہ، حدیث6)

حدثنا موسى بن إسماعيل، ثنا عبد العزيز بن أبي حازم، قال: حدثني بمنىً عن أبيه، عن ابن عمر، عن النبي صلى اللّه عليه وسلم قال: "القدرية مجوس هذه الأمة: إن مرضوا فلا تعودوهم، وإن ماتوا فلا تشهدوهم."

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "قدریہ فرقے کے لوگ اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت کے لیے مت جاؤ اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازے میں بھی شرکت نہ کرو۔" (ابو داؤد، کتاب السنۃ، حدیث 4691)

ان دلائل کے جواب میں اعتدال پسند اور ماورائے مسلک حضرات یہ کہتے ہیں کہ ان آیات اور احادیث کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو اسلام دشمنی کا رویہ رکھتے ہوں اور جان بوجھ کر مسلمانوں میں گمراہی پھیلا رہے ہوں۔ موجودہ مسالک کا یہ معاملہ نہیں ہے۔ ان سب میں جو اختلاف ہے، وہ تاویل کا اختلاف ہے جس پر ان آیات اور احادیث کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ اوپر بیان کردہ آیت میں بھی ذکر ہے کہ جب وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں تو ان کے ساتھ بیٹھا جا سکتا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر ہم دوسرے کی بات کو غلط بھی سمجھتے ہوں، تب بھی ہمیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق رکھنا چاہیے تا کہ ہم درست بات کو ان تک پہنچا سکیں۔

ماورائے مسلک حضرات کے دلائل

ماورائے مسلک لوگ اپنے نقطہ نظر کے حق میں یہ آیات واحادیث پیش کرتے ہیں:

لا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنْ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ. إِنَّمَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنْ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى

إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ.

"جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے، ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے اللہ نے تمہیں منع نہیں فرمایا ہے۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تو تمہیں انہی سے دوستی سے منع فرماتا ہے جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ کی، تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے اخراج کے خلاف جتھہ بندی کی۔ جس نے انہیں دوست بنایا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔" (الممتحنہ 60:8-9)

حدثنا عبيد بن إسماعيل: حدثنا أبو أسامة، عن هشام، عن أبيه، عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما قالت: قدمت علي أمي وهي مشركة، في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فاستفتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، قلت: إن أمي قدمت وهي راغبة، أفأصل أمي؟ قال: نعم، صلي أمك.

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میری والدہ مجھ سے ملنے آئیں جبکہ وہ مشرکہ تھیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں پوچھا: "میری والدہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں جبکہ وہ دین سے بیزار ہیں؟ کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں؟" آپ نے فرمایا: "ہاں، ان سے صلہ رحمی کرو۔" (بخاری، کتاب الھبہ، حدیث 2477)

ماورائے مسلک حضرات کہتے ہیں کہ جب غیر مسلم مشرکین اور کفار کا یہ معاملہ ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک اور صلہ رحمی کرنی چاہیے تو پھر ان مسلمانوں کا معاملہ تو اس سے بڑھ کر ہونا چاہیے جو ہمارے خیال میں کسی غلط عقیدہ یا عمل میں مبتلا ہیں۔ ہمیں ان کے بارے میں بدگمانی سے کام نہیں لینا چاہیے کہ وہ اسلام دشمن ہیں جو مسلمانوں کے بھیس میں آ گئے ہیں۔ اس کی بجائے ہمیں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے، ان سے محبت سے پیش آنا چاہیے اور مناسب موقع پر احسن انداز میں ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کر دینی چاہیے۔ عین ممکن ہے کہ اچھے سلوک کی وجہ سے وہ اپنے غلط عقیدے یا عمل کو چھوڑ دیں لیکن اگر ہم نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا اور کفر و شرک کے فتووں سے ان کی تواضع کی تو اس کے سوا اور کچھ نہ ہو گا کہ وہ اپنے غلط عقیدے یا عمل پر مزید پختہ ہو جائیں گے۔

منفرد آراء یا تفردات

بعض ماورائے مسلک علماء کا یہ معاملہ رہا ہے کہ انہوں نے کسی اجتہادی مسئلے (یعنی وہ مسئلہ جو قرآن و سنت کی واضح عبارتوں میں درج نہ ہو بلکہ اس میں کسی عالم کو اپنے غور و فکر اجتہاد کرنا پڑے یا پھر جس میں قرآن و سنت کی عبارت کے مفہوم میں اختلاف ہو) میں ایسا نقطہ نظر اختیار کر لیا جو باقی تمام مسالک کے متفقہ نقطہ نظر سے ہٹ کر تھا۔ اس کے نتیجے میں انہیں سب کی جانب سے تنقید کا سامنا کرنا پڑا کہ انہوں نے امت کے اجماع یعنی اتفاق رائے کی مخالفت کی ہے۔

ان ماورائے مسلک علماء کا کہنا یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجماع کو وہ بھی حجت مانتے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جن مسائل میں اجماع کا دعوی

کیا جاتا ہے، وہ درست نہیں ہے۔ اجماع یا تو عہد صحابہ کے اولین دور میں ممکن تھا جب دین کے سبھی عالم صحابہ مدینہ منورہ میں اکٹھے تھے یا پھر موجودہ دور میں ممکن ہے کیونکہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ایجادات نے دنیا کے مختلف خطوں میں رہنے والے علماء کے تبادلہ خیال کو ممکن بنا دیا ہے۔ درمیان کے ادوار میں علماء پوری دنیا کے طول و عرض میں پھیل گئے تھے، اس وجہ سے پوری امت کا کسی مسئلے پر اجماع ناممکن تھا۔ اس دور میں کسی خاص علاقے کے مسلمانوں کا اجماع تو عملاً ممکن تھا مگر پوری امت کا اجماع ممکن نہ تھا۔

ماورائے مسلک علماء کے نزدیک کسی اجتہادی مسئلہ میں ایسا نقطہ نظر اختیار کرنا جو اس سے پہلے کسی عالم کی رائے نہ ہو، کو غلط قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں ایسا معاملہ تھا کہ ان کی رائے بسا اوقات دوسرے صحابہ سے مختلف ہوا کرتی تھی مگر چونکہ وہ خود اپنے دلائل کی بنیاد پر مطمئن ہوتے تھے، اس وجہ سے اپنی رائے تبدیل نہ کیا کرتے تھے۔ ہاں اگر دوسرے عالم صحابی کے دلائل سے وہ قائل ہو جاتے تو اپنی رائے تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے باقی صحابہ سے کئی معاملات میں مختلف تھی۔ اسی طرح تابعین بھی صحابہ کرام کی آراء سے اختلاف رائے کر لیا کرتے تھے۔ ایسا کرنے کو کسی صحابی نے غلط نہیں کہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اس مسئلے پر تفصیلی بحث ماڈیول CS07 میں "تقلید" کے باب کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

جماعت المسلمین

وہ حضرات جو کسی بھی مخصوص فرقے یا مسلک سے تعلق نہیں رکھتے، ان میں ایک گروہ "جماعت المسلمین" کا بھی ہے۔ یہ پاکستان کا ایک گروہ ہے جس کے بانی مسعود احمد صاحب تھے۔ انہوں نے پہلے سے موجود تمام فرقوں پر کڑی تنقید کی اور ان سے علیحدہ ہو کر ایک گروہ بنا کر اس کے امیر کی بیعت کی دعوت دی۔ نمازوں کے لیے انہوں نے سب فرقوں کی مساجد سے الگ مساجد تعمیر کیں اور سب سے علیحدہ ہو کر اپنے دینی تشخص "جماعت المسلمین" پر زور دیا۔

جماعت المسلمین کا توحید و شرک اور تقلید وغیرہ کے ضمن میں وہی موقف ہے جو عام سلفی حضرات کا ہے مگر وہ اس بات پر سختی سے اصرار کرتے ہیں کہ انسان کو کسی فرقے سے منسلک نہیں سمجھنا چاہیے اور صرف ایک امام کی اطاعت کرنی چاہیے۔

جماعت المسلمین میں اور عام ماورائے مسلک حضرات میں فرق یہ ہے کہ عام ماورائے مسلک حضرات سبھی مسالک کے لوگوں کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتے ہیں، ان سے شادی بیاہ کا تعلق بھی قائم کر لیتے ہیں مگر جماعت المسلمین کے لوگ ایسا نہیں کرتے۔ اپنے نقطہ نظر کے حق میں جماعت المسلمین کے احباب یہ احادیث پیش کرتے ہیں:

حدثنا محمد بن المثنَّى: حدثنا الوليد بن مسلم: حدثنا ابن جابر: حدثني بسر بن عبيد الله الحضرمي: أنه سمع أبا إدريس الخولاني: أنه سمع حذيفة بن اليمان يقول: كان الناس يسألون رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الخير، وكنت أسأله عن الشر، مخافة أن يدركني، فقلت: يا رسول الله، إنا كنا في جاهلية وشر، فجاءنا الله بهذا الخير، فهل بعد هذا

الخير من شر؟ قال: (نعم). قلت: وهل بعد ذلك الشر من خير؟ قال: (نعم، وفيه دخن). قلت: وما دخنه؟ قال: (قوم يهدون بغير هديي، تعرف منهم وتنكر). قلت: فهل بعد ذلك الخير من شر؟ قال: (نعم، دعاة على أبواب جهنم، من أجابهم إليها قذفوه فيها). قلت: يا رسول الله صفهم لنا، قال: (هم من جلدتنا، ويتكلمون بألسنتنا). قلت: فما تأمرني إن أدركني ذلك؟ قال: (تلزم جماعة المسلمين وإمامهم). قلت: فإن لم يكن لهم جماعة ولا إمام؟ قال: (فاعتزل تلك الفرق كلها، ولو أن تعضَّ بأصل شجرة، حتى يدركك الموت وأنت على ذلك)..

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے جبکہ میں آپ سے اس اندیشے کے باعث شر سے متعلق سوال کرتا تھا کہ کہیں یہ مجھ تک آن نہ پہنچے۔ میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں تھے تو اللہ یہ خیر ہم تک لے آیا۔ کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہے؟" فرمایا: "جی ہاں۔" میں نے عرض کیا: "کیا اس شر کے بعد کوئی خیر ہو گی؟" آپ نے فرمایا: "جی ہاں، مگر اس میں کچھ دھواں سا ہو گا۔" عرض کیا: "وہ دھواں کیا ہو گا؟" فرمایا: "ایسی قوم جو میری ہدایت کی پیروی نہ کرے گی۔ ان میں سے بعض باتیں تو اچھی ہوں گی اور بعض بری ہوں گی۔"

میں نے عرض کیا: "کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہو گا؟" فرمایا: "ہاں۔ بلانے والے جہنم کے دروازوں کی طرف بلائیں گے، جو ان کی پیروی کرے گا، وہ اسے اس میں پھینک دیں گے۔" میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! ان کی صفات ہمارے لیے بیان فرما دیجیے۔" فرمایا: "وہ ہماری قوم سے ہوں گے اور ہماری زبان میں بات کریں گے۔" عرض کیا: "تو اگر میں ان لوگوں کو پاؤں تو اس معاملے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟" فرمایا: "مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ رہیے۔" میں نے عرض کیا: "اگر ان کی جماعت اور امام نہ ہو تو پھر؟" فرمایا: "ان سب فرقوں سے الگ ہو جائیے، اگرچہ اس کے لیے آپ کو درخت کی جڑ چبانی پڑے یہاں تک کہ اسی حالت میں آپ فوت ہو جائیں۔" (بخاری، کتاب الفتن، حدیث 6673۔ مسلم، کتاب الامارہ، حدیث 1847)

اسی طرح متعدد احادیث ہیں جن میں مسلمانوں کو جماعت اور امام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کی بنیاد پر "جماعت المسلمین" کے احباب کا موقف یہ ہے کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان کی جماعت المسلمین میں شامل ہو کر ان کے امام کی اطاعت کرے۔

اس کے جواب میں عام مسلمان کہتے ہیں کہ ان احادیث سے واضح ہے کہ ان میں جماعت المسلمین سے مراد مسلمانوں کا نظم اجتماعی یعنی ان کی حکومت ہے۔ احادیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف گروہوں اور جماعتوں کی موجودگی میں صرف اور صرف حکومت کا ساتھ دینے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا تاکہ انارکی نہ پھیلے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ "جماعت المسلمین" نامی کسی جماعت میں شمولیت اختیار کر لی جائے اور اس کے امیر کی بیعت کر لی جائے۔ جو مسلمان کسی منظم حکومت کے تحت رہتے ہیں اور قانون کا احترام کرتے ہیں، وہ عین اس حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ اپنے نقطہ نظر کے حق میں عام مسلمان یہ احادیث پیش کرتے ہیں:

حدثنا مسدد، عن عبد الوارث، عن الجعد، عن أبي رجاء، عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (من كره من أميره شيئاً فليصبر، فإنه من خرج من السلطان شبراً مات ميتة جاهلية).

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو صبر کرے، کیونکہ

جو شخص بھی حکومت سے بالشت بھر نکل گیا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔" (بخاری، کتاب الفتن، حدیث 6645، مسلم، کتاب الامارہ)

حدثنا أبو النعمان: حدثنا حمَّاد بن زيد، عن الجعد أبي عثمان: حدثني أبو رجاء العطاردي قال: سمعت ابن عباس رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (من رأى من أميره شيئاً يكرهه فليصبر عليه فإنه من فارق الجماعة شبراً فمات، إلا مات ميتة جاهلية).

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو صبر کرے، کیونکہ جو شخص بھی جماعت سے بالشت بھر نکل گیا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔" (بخاری، کتاب الفتن، حدیث 6646، مسلم، کتاب الامارہ)

عام مسلمانوں کے برعکس جماعت المسلمین کے احباب ان احادیث میں "جماعت" سے مراد اپنی جماعت المسلمین اور اس کے امیر سے مراد سے اپنی جماعت کا امیر لیتے ہیں۔

عام مسلمانوں کا موقف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکومت کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے اگرچہ حکمران میں کچھ ناپسندیدہ باتیں موجود ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر حکومت کی اتھارٹی کے خلاف بغاوت کر دی جائے تو معاشرے میں انارکی پھیلتی ہے، اس سے جرائم پیشہ گروہ منظم ہوتے ہیں اور پورا معاشرہ تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حکمرانوں کی برائیوں کا اثر پھر بھی محدود رہتا ہے مگر اطاعت سے نکلنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر ہر شخص ڈاکہ زنی، ریپ اور قتل کا شکار ہونے لگتا ہے اور کسی کی جان، مال اور عزت محفوظ نہیں رہتی۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ ان احادیث میں "جماعت المسلمین" سے مراد تمام مسلمانوں کی جماعت اور ان کی حکومت ہے، کوئی مخصوص گروپ یا تنظیم یہاں زیر بحث نہیں ہے۔ اگر اس سے مراد کوئی مخصوص تنظیم لی جائے اور اس کے امیر کی اطاعت کا عزم کیا جائے تو پھر ریاست کے اندر ریاست وجود میں آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک شخص اپنی تنظیم بنا کر دوسروں کو اپنی اطاعت کی دعوت دے اور اس کے لیے انہی احادیث کو پیش کرے، تو پھر یہی کام دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں تنظیموں اور جماعتوں کی کثرت ہوتی ہے اور وہ سب ایک دوسرے پر تنقید کر کے انہیں اطاعت امیر کی خلاف ورزی کا مجرم قرار دیتے ہیں۔ پھر ان میں لڑائیاں بڑھتی ہیں اور فرقہ واریت وجود میں آتی ہے۔ ان تفصیلات کے دلیل کے طور پر وہ پاکستان کے معاشرے کو پیش کرتے ہیں جو تادم تحریر اسی کی عملی تصویر پیش کر رہا ہے۔

عام ماورائے مسلک حضرات کا کہنا یہ ہے کہ حکومت سے ہٹ کر کوئی بھی جماعت بنانے اور اس کے امیر کی اطاعت کی دعوت دینے کے نتیجے میں فرقہ واریت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ ایک نیا فرقہ وجود میں آ جاتا ہے۔ جیسے جماعت المسلمین کی دعوت کے نتیجے میں ایک الگ گروہ بنا، جس نے اپنی مساجد الگ کر لیں تو اس کا نتیجہ یہی نکلا کہ جہاں پہلے مثلاً پانچ فرقے موجود تھے، ان میں ایک چھٹے فرقے کا اضافہ ہو گیا۔

اسائنمنٹس

1. ماورائے مسلک مسلمانوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں کن کن افراد کو شامل کیا جا سکتا ہے؟
2. کیا ماورائے مسلک مسلمانوں کا دیگر کٹر فرقوں کے مسلمانوں کے ساتھ اچھے روابط رکھنا مناسب طرز عمل ہے یا نہیں؟ بحث کیجیے۔
3. عام ماورائے مسلک مسلمانوں اور "جماعت المسلمین" کے نقطہ نظر میں کیا فرق ہے؟
4. انٹرنیٹ پر مختلف فرقوں کے مابین کسی مناظرے کی ویڈیو تلاش کر کے دیکھیے۔ کیا مناظروں کی مدد سے فرقہ واریت کم کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بحث کیجیے۔
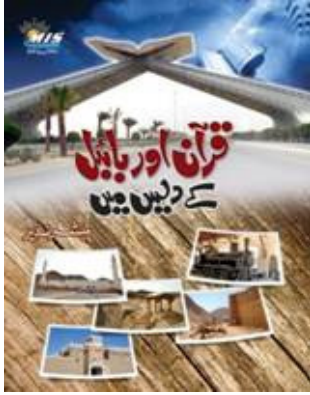
تعمیر شخصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، 'آپ نماز اس طرح پڑھیے کہ گویا آپ اپنے رب کو دیکھ رہے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از یہی تصور رکھیے کہ آپ کا رب آپ کو دیکھ رہا ہے۔'

باب 12: جنوبی ایشیا کے مسالک کی تاریخ

اب آپ جنوبی ایشیا میں اہل سنت کے ذیلی فرقوں، مسالک اور ان کے عقائد و نظریات اور دینی اعمال سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ اب مناسب ہو گا کہ ان کی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ پیش کر دیا جائے تا کہ ان کے باہمی تعلق سے آگاہ ہوا جا سکے۔ اس تاریخ کو متعدد ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- دور اول: 1750 سے پہلے
- دور ثانی: 1750 تا 1831
- دور ثالث: 1831 تا 1906
- دور رابع: 1906 سے اب تک

اب ہم ان ادوار کا ایک ایک کر کے مطالعہ کرتے ہیں:

دور اول: 1750 سے پہلے کا دور

جنوبی ایشیا سے ہماری مراد موجودہ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش اور سری لنکا ہیں۔ ان ممالک میں اسلام کی دعوت دو راستوں سے آئی اور دونوں مرتبہ اس کے مشمولات اور طریق کار میں بڑا فرق تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور ہی میں اسلام جزیرہ نما عرب کا غالب دین بن چکا تھا۔ عرب کے جنوب مشرقی علاقے یمن کے لوگ دین کے جذبے سے پوری طرح سرشار تھے اور اس جذبے کی تعریف بعض احادیث میں آئی ہے۔

اس دور میں عرب دنیا کی عالمی تجارت کا مرکز تھا کیونکہ نہر سویز کا وجود نہ تھا۔ مشرقی ممالک، چین، ہندوستان اور مشرقی افریقہ کی زرعی اور صنعتی پیداوار یمن کی بندرگاہوں پر لائی جاتیں جہاں سے اہل عرب انہیں خشکی کے راستے شام تک پہنچا دیتے۔ شام سے یہ مصنوعات شمالی افریقہ اور یورپ تک پہنچ جایا کرتی تھیں۔ اس کے برعکس شام کے لوگ یورپ اور افریقہ کی مصنوعات کو عربوں کے حوالے کرتے جو انہیں خشکی کے راستے یمن تک پہنچا دیتے جہاں سے یہ ہندوستان، چین اور دیگر مشرقی ممالک کی جانب چلی جایا کرتی تھیں۔ یہ سلسلہ قبل از اسلام کے زمانے میں جاری تھا۔ اسلام کے دور میں عرب میں غیر معمولی امن پیدا ہوا جس کے نتیجے میں اس تجارت نے زبردست ترقی کی۔ عرب تاجروں اور جہاز رانوں نے ایک جانب بحیرہ روم اور دوسری جانب بحر ہند پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔ اس طریقے سے مسلمان جو اس وقت کی سب سے بڑی سیاسی طاقت تھے، ایک عظیم معاشی ایمپائر کی شکل اختیار کرتے چلے گئے۔

انہی تاجروں اور جہاز رانوں کے ذریعے مشرقی ممالک کا رابطہ اسلام سے ہوا۔ ان ممالک میں ہندوستان کے ساحلی علاقے جیسے موجودہ کیرالہ، گجرات اور سندھ کا اسلام سے براہ راست رابطہ ہوا۔ یہی معاملہ سری لنکا کا تھا۔ یہاں کے لوگ اور بالخصوص حکمران مسلمانوں کی دو باتوں سے متاثر ہوئے، ایک دولت اور دوسرے اخلاق و کردار۔ ایک جانب وہ عالمی تجارت کو کنٹرول ررہے تھے اور دوسری جانب ان کے اخلاق و کردار کا یہ عالم تھا کہ وہ اشیاء کو اس گارنٹی کے ساتھ فروخت کرتے کہ اگر مال میں کوئی خامی نکل آئے تو اگلے پھیرے میں وہ اسے واپس لے لیں گے۔ یہ گارنٹی محض ایک وعدہ ہی نہ ہوتا تھا بلکہ اسے پورا کرنے کا ہر ممکن اہتمام کیا جاتا تھا۔

ان عوامل کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی ایک مثبت تصویر برصغیر کے لوگوں کے سامنے آئی اور ان کی بہت بڑی آبادی نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ کیرالہ کے بادشاہ نے حکم دیا کہ ہر گھر کے ایک بچے کی تربیت بطور مسلم کی جائے تاکہ وہ بڑا ہو کر بحری سفر پر جا سکے اور عالمی تجارت کے فوائد سے مقامی آبادی کو فیض یاب کر سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور کے ہندو سمندری سفر کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ اسی زمانے میں 93/712 کے لگ بھگ سندھ پر محمد بن قاسم نے حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ یہاں کے مقامی راجاؤں کی نسبت محمد بن قاسم نے مقامی آبادی کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، انہیں مکمل مذہبی آزادی دی، ان کے مندروں کو برقرار رکھا اور ان پر بھاری بھرکم ٹیکس ہٹا دیے۔ مقامی ہندو آبادی نے عربوں کو بیرونی حملہ آور سمجھنے کی بجائے اپنا نجات دہندہ تصور کیا۔ یہ برصغیر میں اسلام کی پہلی لہر تھی جو سمندر کے راستے سے آئی۔ اس لہر میں اسلام کا تعارف اہل ہند کے ساتھ مثبت تھا۔ سلفی عالم مولانا محمد اسحاق بھٹی نے اپنی کتاب "برصغیر میں اہل حدیث کی آمد" میں 25 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے جو سیدنا عمر، عثمان اور معاویہ رضی اللہ عنہم کے ادوار میں جنوبی ایشیا تشریف لائے۔ ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ انہوں نے متعدد تابعین اور تبع تابعین کے نام گنوائے ہیں جنہوں نے جنوبی ایشیا کا سفر کیا۔[1]

اس کے تین چار سو سال بعد برصغیر میں مسلمانوں کی دوسری لہر شمال کی جانب سے آنا شروع ہوئی جب محمود غزنوی (reign 387-421/997-1030) نے ہندوستان پر فوج کشی کی۔ اس کے بعد شہاب الدین غوری (reign 598-602/1202-1206) اور دیگر حملہ آور شمال مغرب سے آ آ کر ہندوستان فتح کرتے رہے۔ ان فاتحین کو عام طور پر اہل ہند کی مقامی آبادی میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان فتوحات کے نتیجے میں اسلام برصغیر میں زیادہ نہ پھیل سکا۔ البتہ اتنا ہوا کہ فاتحین کے ساتھ مسلم علماء اور صوفیاء کی بہت بڑی تعداد نے ہندوستان کا رخ کیا۔ علماء نے اپنی دعوت کا مخاطب خاص طبقے کو بنایا جبکہ صوفیاء نے عام لوگوں ہدف بنا کر دعوت کا کام شروع کیا۔ علماء کی نسبت صوفیاء کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور کثیر تعداد میں ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوتے چلے گئے۔

علماء و صوفیاء جس روایتی مذہب پر یقین رکھتے تھے، اس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسلام کا وسط ایشیائی ورژن تھا جو کہ پانچ چھ سو سال تک خالص اسلام اور ایران، افغانستان اور ماوراء النہر (موجودہ تاجکستان، ازبکستان وغیرہ) کی مذہبی روایت کے باہمی تعامل سے تیار ہوا تھا۔ یہی عمل ہندوستان میں آ کر جاری رہا اور اس کے نتیجے میں اسلام کا ہندوستانی ورژن وجود میں آیا جس میں غالب عنصر اگرچہ اسلام کا تھا مگر ہندووانہ رسم و رواج بھی اس پر کسی حد تک اثر انداز ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ ایران کی شیعی روایت، وسط ایشیاء کے

تصوف اور ہندوستان کے جوگیوں کے فلسفہ کے اپنے اثرات تھے جو اس میں جگہ بنا چکے تھے۔

تاریخ میں متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ روایتی علماء اور صوفیاء کے حلقوں میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے روایتی مذہب کے غیر اسلامی عنصر پر تنقید کی۔ ان میں ہم ملا علی القاری (d. 1014/1605)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (958-1051/1551-1642)، شیخ احمد سرہندی (971-1034/1564-1624) اور شاہ ولی اللہ (1703-1762) کے نام پیش کر سکتے ہیں۔

جنوبی ایشیا کے مذہبی ماحول کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہاں دین اسلام کے بنیادی ماخذوں قرآن اور حدیث سے استفادے کا رجحان بہت کم تھا۔ اس کی بجائے فقہ، تصوف اور منطق و فلسفہ پر زور زیادہ دیا جاتا تھا۔ ان مضامین کی ڈھیروں کتب نصاب میں داخل تھیں مگر قرآن مجید کی ایک مختصر تفسیر جلالین اور حدیث کی ایک کتاب "مشکوۃ" پڑھا دینے پر اکتفا کر لیا جاتا۔ اس روش پر متعدد بزرگوں نے تنقید کی اور قرآن و حدیث کی تعلیم پر زور دیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے حدیث کو داخل نصاب کیا۔

شاہ ولی اللہ (1703-1762) دور جدید میں وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے برصغیر میں نہ صرف یہ کہ خالص اسلام پر زور دیا بلکہ اس کے لئے عملاً ایک ایسی جماعت بھی تیار کر دی جو ان کی دعوت کو پھیلا سکے۔ ان کے بعد ان کے بیٹوں نے ان کے مشن کو جاری رکھا اور یہ پیغام پھیلتا چلا گیا۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ شاہ صاحب نے تصوف سے کلیتاً کنارہ کشی نہیں کی بلکہ بیعت و ارادت کا سلسلہ جاری رکھا۔ شاہ ولی اللہ نے مروجہ بدعات پر زبردست تنقید کی مگر اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے تصوف کے نظریات کا پرچار بھی کیا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب (1703-1792) کی دعوت اپنے عروج پر تھی۔ سلفی عالم مولانا محمد اسحاق بھٹی (b. 1925) لکھتے ہیں:

> یہ بھی عجیب بات ہے کہ جس عہد میں ارض ہند کے شاہ ولی اللہ مدینہ منورہ میں طلب علم کی منزلیں طے کر رہے تھے، اسی عہد میں سرزمین نجد کے شیخ محمد بن عبدالوہاب مدینہ طیبہ کے رفیع المرتبت اساتذہ سے تحصیل علم میں مشغول تھے، یعنی مستقبل کے یہ دونوں مجدد اور عظیم مصلح ایک ہی عہد اور ایک ہی وقت میں دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں علمی اور روحانی تربیت حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان دونوں مجدد دین ملت کو ایک ہی قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ نجد اور ہندوستان مسافت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت دور تھے، لیکن ان دونوں ملکوں کی علمی، عملی، دینی اور سیاسی فضا بالکل ایک سی تھی، اس لیے دونوں بزرگوں نے اپنے اپنے حالات کے مطابق ایک ہی انداز سے اپنی تجدیدی مساعی کا آغاز کیا اور ایک ہی اسلوب سے اپنی سرگرمیوں کی رفتار کو آگے بڑھایا۔ پھر دونوں کو اپنی تبلیغی تگ و تاز کی راہوں میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، وہ بھی ایک ہی قسم کی تھیں۔[2]

مشہور عالم علامہ سید ابوالحسن علی ندوی (1913-1999) نے بھی اپنی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ممکن ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور شاہ ولی اللہ ایک دوسرے کے خیالات سے متاثر ہوئے ہوں۔ دونوں کی مساعی میں فرق یہ تھا کہ شیخ ابن عبدالوہاب نے تصوف سے کلیتا کنارہ کشی اختیار کر لی جبکہ شاہ ولی اللہ اور ان کے شاگردوں نے تصوف کے ساتھ اپنی وابستگی

قائم رکھی۔

اس دور کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں سلفی ازم اور روایتی مذہب کے دونوں رجحانات موجود رہے ہیں۔ بعض اوقات روایتی مسلمانوں کے اندر ایسی شخصیات پیدا ہوئی ہیں جنہوں نے جس چیز کو شرک وبدعت سمجھا، اس پر کڑی تنقید کی۔ یہ دونوں رجحان پہلو بہ پہلو چلتے رہے مگر انہوں نے فرقوں کی صورت اختیار نہیں کی۔ بعض شخصیات کے معاملے میں تو یہ دلچسپ صورتحال پیش آئی کہ ان کی تحریروں میں دونوں رجحان بیک وقت موجود رہے ہیں۔ اس کی مثال ملا علی قاری، شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز ہیں جن کی تحریروں سے آج کل کے سبھی مسلکوں کے لوگ استفادہ کرتے ہیں اور اپنے اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں ان کی کتب سے دلائل فراہم کرتے ہیں اور ان کی جو تحریریں ان کے مسلک کے خلاف ہوں، ان کی یا تو تاویل کرتے ہیں یا پھر انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

دور ثانی: 1750 تا 1831

شاہ ولی اللہ (1762-1703) سے ایک دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ شاہ صاحب نے اپنی کتب حجۃ اللہ البالغہ اور الانصاف فی بیان الاختلاف میں ان مروجہ مذہبی عقائد و رسوم پر کڑی تنقید کی جنہیں وہ شرک یا بدعت کے زمرے میں سمجھتے تھے۔ ان کے بعد ان کے مشن کو ان بیٹوں شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے جاری رکھا۔ یہ سب شخصیات جنوبی ایشیا کے تمام مسالک کے ہاں محترم مانی جاتی ہیں۔

شاہ عبدالعزیز (1823-1745) کے داماد اور خلیفہ سید احمد بریلوی (1831-1886) تھے۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبد العزیز کے بھتیجے شاہ اسماعیل (1831-1879) کے ساتھ مل کر برصغیر میں ایک زبردست تحریک جہاد شروع کی اور موجودہ پاکستان کے صوبہ خیبر پختون خواہ کے علاقے میں ایک اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش کی۔ 1831 میں معرکہ بالاکوٹ میں سکھوں نے ان حضرات کو قتل کر کے اس عسکری تحریک کا خاتمہ کر دیا البتہ ان کی قائم کردہ فکری تحریک جاری رہی۔ شاہ اسماعیل صاحب تصنیف عالم تھے۔ ان کی کتاب "تقویت الایمان"، جو کہ شرک وبدعت کے رد میں لکھی گئی ہے، نے پورے برصغیر میں تہلکہ مچا دیا۔ ان کے ہم عصر مولانا فضل حق خیر آبادی (1861-1797) نے ان پر کفر کا فتوی عائد کیا جس کے نتیجے میں برصغیر کے اہل سنت دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ "سنی" اور دوسرا "وہابی" کہلاتا تھا۔ ان گروہوں کی حدبندیاں اس دور میں اتنی واضح نہ تھیں۔

دور ثالث: 1831 تا 1906

شاہ اسماعیل کے بعد ان کے پیروکار دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ نے حنفی نقطہ نظر اختیار کیے رکھا اور امام ابو حنیفہ کے فقہی

مسلک کی پیروی کرتے رہے اور تقلید کے ساتھ وابستہ رہے۔ دوسرے گروہ نے تقلید ائمہ کی کھلم کھلا مخالفت کی اور اہل حدیث کہلایا۔ شاہ عبد العزیز کے شاگرد شاہ محمد اسحاق تھے، جن کے شاگرد میاں نذیر حسین دہلوی (1805-1902) تھے۔ میاں صاحب عدم تقلید کی طرف مائل ہوئے، جس کے نتیجے میں شاہ ولی اللہ کے حلقے میں تقسیم کا آغاز ہوا۔[3] غیر مقلدین کو عام لوگ وہابی کہا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ لفظ "وہابی" کو بطور ایک بدنام اصطلاح کے استعمال کیا جانے لگا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اگر کوئی کسی ہندو یا سکھ سے بھی دشمنی رکھتا تو اس کے بارے میں مشہور کر دیتا کہ وہ وہابی ہو گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگ اس شخص کا مکمل بائیکاٹ کر دیا کرتے تھے۔ مزید بر آں انگریز حکومت نے وہابیوں کے خلاف مکمل کریک ڈاؤن کیے رکھا۔ اس دور کے وہابیوں نے اس نام کے ساتھ مزید جڑا رہنا مناسب نہ سمجھا اور مشہور سلفی عالم مولانا محمد حسین بٹالوی (1831-1920) کی تجویز اپنے لیے "اہل حدیث" کا لقب اختیار کیا۔[4]

واقعہ بالا کوٹ کے بعد تقریباً اسی سال تک صورتحال یہی رہی۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمانوں کی حکومت کا بڑی حد تک خاتمہ ہو چکا تھا اور بر صغیر کے بڑے حصے پر انگریز قابض تھے۔ انگریزوں نے ملک کے نظام کو نہ چھیڑا تھا اور عدالتی نظام وہی تھا جو مغلوں کے دور میں رائج تھا۔ ان عدالتوں میں مسلمان قاضی مقرر ہوا کرتے تھے جو مسلمانوں کے دینی تعلیمی نظام سے گزر کر ان عہدوں پر پہنچتے تھے۔ مسلمانوں کے مدارس کا اہتمام سرکاری سطح پر ہوا کرتا تھا اور ہر مدرسے کے ساتھ ایک بڑی جاگیر سرکاری طور پر وقف ہوا کرتی تھی جس کی آمدنی سے مدرسے کے اخراجات پورے کیے جاتے اور تعلیم بالکل مفت تھی۔

1835 میں لارڈ میکالے نے ایسے تعلیمی نظام کی سفارش کی جس کے نتیجے میں انگریزی پڑھنا لازم قرار پایا اور ایسی نسل تیار کرنے کی جانب توجہ دی گئی جو بظاہر تو ہندوستانی ہو مگر اپنی فکر و نظر اور ورلڈ ویو کے اعتبار سے انگریز ہو۔ لارڈ میکالے کے اس تعلیمی نظام کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان جو کہ سب سے زیادہ تعلیم یافتہ قوم تھی، انگریزی نہ جاننے کے سبب راتوں رات جاہل قرار پائی۔ دو عشروں تک انہیں سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کیا جائے۔ اسی دوران 1857 کی جنگ آزادی ہوئی جس میں مسلمانوں کے اقتدار کی آخری علامت مغل بادشاہت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

لارڈ میکالے کے تعلیمی نظام کے دو رد عمل سامنے آئے۔ مسلمانوں کے ایک گروہ نے سر سید احمد خان (1817-1896) کی قیادت میں جدید تعلیم کا خیر مقدم کیا۔ دوسرا گروہ روایتی علماء کا تھا جس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہمیں ہر قیمت پر اپنا دین کو بچانا ہے اور اس کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم پرائیویٹ طور پر مدارس قائم کریں جہاں علوم دینیہ کی تعلیم کے سلسلے کو جاری رکھا جائے۔ 1867 میں دالعلوم دیو بند قائم ہوا جس کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی (1832-1880) تھے۔ یہ مدرسہ ایک استاذ یعنی مولانا نانوتوی اور ایک شاگرد مولانا محمود الحسن (1851-1920) پر مبنی تھا اور ایک درخت کے نیچے قائم ہوا تھا۔ جلد ہی یہ ماڈل دیندار مسلمانوں میں مقبول ہوتا چلا گیا اور بر صغیر کے طول و عرض میں پرائیویٹ مدارس کا جال پھیلتا چلا گیا۔ یہ مدارس اہل حدیث اور عام سنی دونوں مسالک کے ہوا کرتے تھے۔ عام سنی حضرات حنفی مسلک پر قائم رہتے اور اہل حدیث، تقلید سے ہٹ کر خالصتاً کتاب و سنت کی پیروی کا اعلان کرتے۔

اس وقت تک سنی اور وہابی کی تقسیم کے علاوہ مسلمان منقسم نہ تھے۔ اہل حدیث اور عام سنی ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو رہا کرتے تھے اور اکٹھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ بس یوں کہیے کہ روایتی مذہب اور سلفی ازم کے دو رجحانات تھے جو ایک دوسرے کے متوازی چل رہے تھے۔ ان کے علاوہ تیسرا رجحان لبرل اور ماڈرنسٹ مسلمانوں کا تھا، جن کی قیادت سر سید احمد خان کے ہاتھ میں تھی۔ بسا اوقات ان میں دو یا تینوں رجحانات ایک ہی شخص میں اکٹھے ہو جایا کرتے تھے۔ یہی سلسلہ بیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک جاری رہا۔

سیاسی اعتبار سے وہ علماء جو کہ سلفی ازم کی جانب رجحان رکھتے تھے، انگریزوں کے شدید مخالف تھے۔ انہوں نے برصغیر سے انگریزوں کو نکالنے کا عزم کیا۔ 1857 کی تحریک آزادی میں ان کا کردار کلیدی تھا۔ اس کے علاوہ وہ انگریزوں کے خلاف متعدد بغاوتوں میں شریک رہے جس کی پاداش میں انہیں کالا پانی (جزائر انڈیمان) کی قید بھگتنا پڑی۔ ان میں علمائے صادق پور نمایاں تھے جو کہ کٹر اہل حدیث تھے۔

دور رابع: 1906 سے اب تک

1906 میں ایک غیر معمولی تبدیلی واقع ہوئی۔ حنفی عالم مولانا احمد رضا خان بریلوی (1921-1856) نے علمائے دیوبند میں سے چار بڑے علماء کی بعض عبارتوں کو گستاخانہ قرار دیا اور اس کے نتیجے میں ان پر کفر کا فتوی عائد کیا۔ انہوں نے اپنے فتوی کو حرمین شریفین کے علماء کے پاس بھی بھیجا اور اس کی توثیق ان سے بھی کروالی اور ان فتاوی کو "حسام الحرمین" کے نام سے شائع کیا۔ علمائے دیوبند نے اس کی سختی سے تردید کی۔ جانبین کی جانب سے تقریری و تحریری مناظروں کا سلسلہ شروع ہوا، ایک دوسرے کے رد میں کتب لکھی جانے لگیں، جلسوں اور تقاریر میں ایک دوسرے کی تردید کا سلسلہ چل نکلا۔ بریلویوں نے دیوبندیوں پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ گستاخ رسول ہیں۔ اس کے جواب میں دیوبندیوں نے بریلویوں پر یہ الزام لگایا کہ وہ انگریزوں کے تنخواہ دار ایجنٹ ہیں اور انگریزوں کے باغی علماء دیوبند پر انہوں نے فتوی اس لیے لگایا ہے تاکہ انگریزی گورنمنٹ سے مفادات حاصل کیے جا سکیں۔ ایک دوسرے پر الزامات کے جواب میں مزید الزامات اور ان کی صفائی پیش کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا بریلوی اور دیوبندی علیحدہ علیحدہ مسلک وجود میں آئے۔ اس طریقے سے برصغیر کے مسلمان عملاً پانچ کیمپوں میں تقسیم ہو گئے: بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث، ماورائے مسلک اور اہل تشیع۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ماورائے مسلک حضرات کے سوا ہر مسلک کے لوگوں نے اپنی اپنی مساجد علیحدہ تعمیر کرنا شروع کر دیں۔ اس وقت سے لے کر ایک دوسرے کی تکفیر و تردید کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

مختلف مکاتب فکر کی نشر و اشاعت کے طریقے

بیسویں صدی کے نصف اول میں سبھی مکاتب فکر نے اپنے مسلک کی نشر و اشاعت کے لیے چار طریقے اختیار کیے:

- مدارس کا قیام

- تحریر و تصنیف
- مناظرہ
- جلسے و جلوس

ایک طرف سبھی مسالک اپنے اپنے مدارس قائم کرنے لگے۔ علمائے دیوبند نے برصغیر کے طول و عرض میں مدارس قائم کیے مگر انہیں غیر معمولی کامیابی برصغیر کے شمال مغربی علاقوں اور افغانستان میں ہوئی جہاں ان کے مدارس اب بھی سب سے بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس علاقے میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل کے زمانے سے زمین تیار کی جارہی تھی۔ سنی بریلوی اور اہل حدیث نقطہ نظر کے مدارس بھی پورے برصغیر میں پھیلتے چلے گئے۔ موجودہ پاکستان میں ان کے زیادہ تر مدارس پنجاب اور سندھ کے علاقوں میں موجود ہیں۔

دوسری جانب سبھی مسالک کے علماء تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے۔ اس تصنیف و تالیف کا ایک پہلو تو یہ تھا کہ اسلام کی علمی انداز میں خدمت کی جائے، علوم اسلامیہ کو فروغ دیا جائے اور دین کو درپیش آنے والے چیلنجوں کا جواب دیا جائے۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ مخالف فرقوں کی تردید کی جائے اور ان کی غلطی کو واضح کیا جائے۔ پہلے پہلو پر زیادہ تر ان لوگوں نے کام کیا جو خود کو مسلکی تقسیم سے ماوراء سمجھتے تھے۔ ان کے لیے ہم نے ماورائے مسلک حضرات کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ دوسرے پہلو پر ان لوگوں کے زیادہ کام کیا جو خود کو کسی مسلک سے وابستہ سمجھتے تھے۔

ایک دوسرے کی تردید و تکفیر کے نتیجے میں مناظرے کا فن اپنے عروج پر پہنچا۔ مدارس میں زیر تعلیم افراد کو مناظرہ کرنے کی باقاعدہ تربیت دی جاتی۔ مناظروں کے دو طریقے تھے: ایک تحریری اور دوسرا تقریری۔ تحریری مناظروں کا طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ ایک صاحب دوسرے مسلک کی تردید میں کتاب لکھ کر شائع کرتے یا پھر اشتہار کی صورت میں اس شائع کر کے دیواروں پر چسپاں کرواتے۔ دوسرے مسلک کے حامی اس کا جواب لکھتے اور کتاب یا اشتہار کی صورت میں شائع کروا کر ملک بھر میں پھیلاتے۔ پھر پہلے والے اس جواب کا جواب لکھتے اور یہ سلسلہ چل نکلتا۔ یہ کتابیں دوسرے مسلک والے کم اور مصنف کے اپنے مسلک کے لوگ زیادہ پڑھا کرتے تھے اور ان کا مقصد یہی ہوتا تھا کہ اپنے مسلک کے لوگوں کو دوسروں سے متاثر ہونے سے روکا جائے۔ کوشش کی جاتی تھی کہ فریق مخالف کی کتب سے چن چن کر ایسی عبارتیں اکٹھی کی جائیں جن کی بنیاد پر انہیں بدنام کیا جا سکے یا پھر ان کی عبارتوں سے اپنا مسلک ثابت کیا جائے۔

تقریری مناظروں کا طریق کار یہ تھا کہ ایک مسلک کے عالم دوسرے مسلک والوں کو مناظرے کا چیلنج دیتے جسے قبول کرنا مسلکی حمیت کا تقاضا سمجھا جاتا تھا۔ تاریخ اور جگہ کا تعین کیا جاتا اور مقررہ تاریخ پر کسی عوامی مقام پر دونوں علماء اور ان کے حامیوں کا اجتماع ہوتا۔ باری باری دونوں فریق اپنا نقطہ نظر پیش کرتے اور دوسرے کے دلائل کا رد کرتے۔ ان مناظروں کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ہر قیمت پر اپنے

مسلک کی حقانیت اور دوسرے کا بطلان کیا جائے اور اس کے لیے مناظرے میں "فتح مبین" حاصل کی جائے۔

اس مقصد کے لیے ہر ممکن ہتھکنڈا استعمال کیا جاتا۔ مخالفین کی عبارتوں کو سیاق و سباق سے کاٹ کر اپنے دعوی کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا۔ دوسروں کی کتب سے چن چن کر قابل اعتراض باتیں تلاش کی جاتیں اور انہیں مخالفین کو رسوا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا۔ مناظرہ سکھانے والی ایک کتاب میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ کبھی اپنی کتاب کو مخالف مناظر کے ہاتھ میں نہ جانے دو ورنہ وہ یہ کرے گا کہ کتاب کا متعلقہ صفحہ پھاڑ کر اسے غائب کر دے گا اور اس طرح تمہاری دلیل کو غیر موثر کر دے گا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہاتھ کی صفائی کا فن بھی مناظر کے لیے سیکھنا ضروری تھا۔ مناظرین ہر ممکن طریقے سے مناظرہ فتح کرنے کی کوشش کرتے۔ دوران مناظرہ دلائل سے زیادہ زور بیان کے ذریعے ایسا کیا جاتا، مخالف کے نظریے کے علاوہ اس کی شخصیت پر رکیک حملے کیے جاتے، خوب چیخ و پکار ہوتی، بسا اوقات نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی۔ ان سب کاموں میں جس فریق کا پلہ بھاری پڑتا، وہ فاتح مناظرہ قرار پاتا۔ دوسرے اس شکست کو تسلیم نہ کرتے اور نئے مناظرے کی تاریخ کا اعلان کر دیا جاتا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا جب تک فریقین کی توانائی بر قرار رہتی۔ ان مناظروں کا سلسلہ جنوبی ایشیاء کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر جاری رہا۔ ان میں سے بعض مناظروں کی ویڈیو یوٹیوب پر بھی دستیاب ہے۔

چوتھا رجحان جلسے جلوس کا تھا۔ جلوس کے معاملے میں اہل تشیع کو فطری سبقت حاصل تھی کیونکہ وہ محرم کے جلوسوں کا صدیوں سے اہتمام کرتے آئے تھے۔ ان کے بعد سنی بریلوی حضرات کا نمبر تھا جو ربیع الاول میں عید میلاد النبی کا جلوس نکالتے تھے۔ سنی دیوبندی اور اہل حدیث حضرات نے بھی یہ سلسلہ مختلف مواقع پر شروع کیا مگر یہ جلوس زیادہ تر سیاسی نوعیت کے ہوا کرتے تھے۔ ان جلوسوں کے علاوہ جلسے بھی ہوا کرتے تھے جن میں اپنی اپنی مسجد یا کسی پبلک مقام پر جلسہ کیا جاتا۔ اس میں مقررین اپنے فن خطابت کا مظاہرہ کرتے اور دوسرے مسالک کی تردید کرتے۔ خاص کر پنجاب میں سبھی مسالک کو ایسے ٹیلنٹڈ افراد میسر آ گئے جنھوں نے اپنے ٹیلنٹ کو اپنے مسلک کی حمایت پر صرف کرنا شروع کیا جس کے نتیجے میں ایک دوسرے کی نظم و نثر میں ہجو کا وہ سلسلہ وجود میں آیا جس نے مذہبی کامیڈی کی ایک نئی صنف سخن کو جنم دیا۔ اس کے بعض مظاہرے آپ یوٹیوب پر مختلف مسالک کے مقررین کے خطابات میں دیکھ سکتے ہیں۔ ان تصانیف، جلسوں، جلوسوں اور مناظروں میں ایک دوسرے کو کافر قرار دیا جاتا۔ ایک فریق دوسرے کو مشرک اور دوسرا پہلے کو گستاخ رسول قرار دیتا جس کے نتیجے میں وہ فضا پیدا ہوئی جسے ممتاز ادیب ابن انشاء (1978-1927) نے ان الفاظ میں بیان کیا: "ایک دائرہ اسلام کا دائرہ کہلاتا ہے، پہلے اس میں لوگوں کو داخل کیا کرتے تھے۔ آج کل داخلہ منع ہے، صرف خارج کرتے ہیں۔"

ان سب کے ساتھ ساتھ ہر مسلک کے لوگوں میں اعتدال پسند بھی ہر دور موجود رہے جنھوں نے مہذب انداز میں اپنے نقطہ نظر کو بیان کیا مگر طعن و تشنیع سے پرہیز کیا۔ بعض اوقات یہ دلچسپ صورتحال پیش آئی کہ ایک ہی مسلک کے انتہا پسند اور اعتدال پسند گروہوں نے ایک دوسرے کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ انتہا پسندوں نے اعتدال پسندوں پر اپنے مسلک کو کمپرومائز کرنے کا الزام لگایا جبکہ اعتدال پسندوں نے ان کی انتہا پسندی پر تنقید کی۔

سبھی مسالک کے لوگ تاریخ کو اپنے اپنے زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ سب کے سب اپنا تعلق 1750 سے پہلے کی شخصیات سے قائم کرتے ہیں اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان شخصیات کا تعلق ان کے مسلک سے تھا۔ مثلاً شاہ ولی اللہ کے بارے میں بریلوی حضرات کا دعوی یہ ہے کہ ان کے عقائد بالکل وہی تھے جو بریلویوں کے ہیں۔ یہی دعوی دیوبندی حضرات بھی کرتے ہیں۔ اہل حدیث حضرات کہتے ہیں کہ شاہ صاحب غیر مقلد تھے۔ اس ضمن میں ہر گروہ ان شخصیات کی کتابوں سے ان عبارات کو بطور ثبوت پیش کرتی ہیں جو ان کے نقطہ نظر کے مطابق ہوتی ہیں اور ان عبارات کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو فریق مخالف اپنے دعوی کی حمایت میں پیش کر رہا ہوتا ہے۔ اگر عبارت واضح ہو تو پھر ہر مسلک کے لوگ ان کی تاویل کرتے ہیں۔ "نظریہ سازش" سبھی مسالک کے لوگوں میں مقبول ہے۔ ہر مسلک کے لوگوں کا یہ دعوی ہے کہ اصل اہل سنت وہی ہیں۔ یہ انگریز کی سازش اور Divide and rule کی پالیسی تھی جس کے نتیجے میں دوسرے گروہ وجود میں آئے۔

مسالک کی تنظیم سازی

بیسوی صدی کے نصف اول میں ایک اور رجحان پیدا ہوا جو کہ نصف آخر میں اپنے عروج کو پہنچا اور وہ تھا تنظیم سازی کا۔ مسلم علماء "جمعیت علمائے ہند" کی صورت میں 1919 ہی میں ایک سیاسی جماعت پہلے ہی بنا چکے تھے جس میں سبھی مسالک کے علماء شریک تھے تاہم آہستہ آہستہ جمعیت پر علمائے دیوبند غالب آ گئے۔ مسالک کی تقسیم گہری ہونے سے یہ جماعت بھی تقسیم ہو گئی۔ سنی بریلوی حضرات نے اپنی "جماعت آل انڈیا سنی کانفرنس" کے نام سے بنائی جو پاکستان میں آ کر "جمعیت علمائے پاکستان" کے نام سے قائم ہوئی۔ اس طرح جمعیت علمائے ہند عملاً علمائے دیوبند کی جماعت بن گئی۔ پاکستان کے قیام کے بعد یہاں کے اہل حدیث حضرات نے "جمعیت اہل حدیث" کے نام سے اپنی سیاسی جماعت بنائی اور اہل تشیع نے "تحریک نفاذ فقہ جعفریہ" کے نام سے اپنی سیاسی جماعت قائم کر لی۔

علمائے دیوبند، شروع سے ہی سیاست کے میدان میں بہت عرصے سے ایکٹو رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم مولانا محمود الحسن (1920-1851) نے انگریزوں کے اقتدار کے خاتمے کے لئے ایک خفیہ سیاسی تحریک "تحریک ریشمی رومال" شروع کی جس کی ناکامی کے نتیجے میں انہیں گرفتار کر کے جزائر انڈیمان لے جایا گیا۔ 1940 کے عشرے میں جب یہ واضح ہو گیا کہ انگریز برصغیر سے جانے والے ہیں تو علمائے دیوبند کے ہاں دو رجحانات سامنے آئے۔ ان کی اکثریت، جس کی قیادت مولانا حسین احمد مدنی (1879-1957) کے ہاتھ میں تھی، کا سیاسی نقطہ نظریہ تھا کہ برصغیر کو تقسیم نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اقلیت ہندو اکثریت کے درمیان پس کر رہ جائے گی۔ ایک اقلیتی گروہ، جس کی قیادت مولانا اشرف علی تھانوی (1943-1863) اور علامہ شبیر احمد عثمانی (1949-1886) کے ہاتھ میں تھی، کا نظریہ یہ تھا کہ ہند کو تقسیم ہونا چاہیے تاکہ مسلمانوں کو ایک آزاد وطن مل سکے۔

دوسری جانب علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ماڈرنسٹ مسلمان قیام پاکستان کے قائل تھے۔ بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ علماء نے بالعموم انہی کا ساتھ دیا جبکہ علمائے دیوبند میں سے مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان کے پیروکاروں نے بھی تحریک پاکستان کا ساتھ دیا جبکہ مولانا مدنی اور ان کے ساتھیوں نے پاکستان کی مخالفت کی۔ مولانا عثمانی اور ان کے ساتھی پاکستان میں آکر "جمعیت علمائے اسلام" کی صورت میں منظم ہوئے جو اب بھی دو دھڑوں کی صورت میں موجود ہے۔

1940 کے عشرے میں دیوبند کے عالم مولانا محمد الیاس سہارنپوری (1944-1885) نے عوام میں دعوت و تبلیغ کا ایک منظم سلسلہ شروع کیا اور کچھ ہی عرصے میں پھیل کر پورے برصغیر میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد یہ تحریک پوری دنیا میں پھیلتی چلی گئی جو کہ "تبلیغی جماعت" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دنیا بھر میں مسلمانوں کی سب سے بڑی دعوتی تحریک ہے۔ تبلیغی جماعت کے کام کے نتیجے میں دیوبندی مکتب فکر عام لوگوں تک پہنچا۔

دوسری جانب بین الاقوامی سطح پر دعوت کے کام کے لیے مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ مولانا عبدالعلیم صدیقی (1954-1892) نے ورلڈ اسلامک مشن قائم کیا جسے ان کے فرزند مولانا شاہ احمد نورانی (2003-1926) نے جاری رکھا۔ 1980 کے عشرے میں بریلوی مکتب فکر نے بھی مولانا محمد الیاس قادری (b. 1950) کی قیادت میں "دعوت اسلامی" کے نام سے اپنی عوامی تبلیغی تحریک قائم کر لی۔ اسی دوران بریلوی مکتب فکر کے عالم ڈاکٹر طاہر القادری (b. 1951) نے بھی منہاج القرآن" کے نام سے ایک دعوتی اور تعلیمی تحریک قائم کی جسے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب دیگر مسالک کے بارے میں کسی حد تک لبرل نقطہ نظر کے حامل تھے، اس وجہ سے انہیں بریلوی حضرات کی جانب سے شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ 1990 کے عشرے میں اہل حدیث حضرات نے "مرکز الدعوۃ والارشاد" کے نام سے اپنی تبلیغی تحریک قائم کی جو اب "جماعت الدعوۃ" کے نام سے معروف ہے۔ ان تمام جماعتوں کا تفصیلی جائزہ ہم دینی تحریکوں والے ماڈیولز میں لیں گے۔

سبھی مسالک کے لوگوں نے جدید تعلیمی اداروں میں طلباء تنظیمیں بھی قائم کیں۔ ان میں سنی بریلوی حضرات کی تنظیم "انجمن طلباء اسلام" سب سے بڑی تھی۔ اس کے بعد جماعت اسلامی سے وابستہ ماورائے مسلک مسلمانوں کی تنظیم "اسلامی جمعیت طلبہ" کا نمبر تھا۔ سنی دیوبندی، اہل حدیث اور اہل تشیع نے بھی اپنی اپنی طلباء تنظیمیں قائم کیں۔

تنظیموں کے علاوہ انفرادی علماء و مشائخ کے حلقوں نے بھی اپنے اپنے مسلک کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایک عالم یا صوفی شیخ اور ان کے معتقدین کا ایک حلقہ بن جاتا ہے جس میں اس شیخ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ معتقدین اپنے شیخ کی تعلیمات کو سنتے ہیں اور اپنے عقائد و اعمال کو ان کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ یہ سلسلہ بریلوی اور دیوبندی حضرات میں نمایاں ہے کیونکہ وہ تصوف پر یقین رکھتے ہیں۔ اہل حدیث اور ماوراء مسلک علماء کے بھی اپنے اپنے حلقے موجود ہیں۔

تشدد کا رجحان

1980 کے عشرے میں پاکستان میں ایک نیا رجحان پیدا ہوا جو کہ اس سے پہلے موجود نہ تھا۔ یہ تشدد کا رجحان تھا۔ اس سے پہلے یہ صورتحال تھی کہ ہر مسلک کے لوگ تقریر و تحریر اور مناظروں میں اپنے اپنے مسلک کا دفاع اور دوسروں پر حملے کیا کرتے تھے۔ کسی مناظرے میں جھگڑا ہو جاتا تو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں، لاٹھیوں اور جوتوں سے ایک دوسرے کی خاطر تواضع کر دیتے۔ جب 1979 میں افغانستان میں سوویت یونین نے مداخلت کی تو اس کے نتیجے میں پاکستان نے مغربی طاقتوں کی مدد سے مزاحمت کا فیصلہ کیا۔ اس جنگ کے پالیسی سازوں نے مناسب یہی سمجھا کہ گوریلا کاروائیوں کے ذریعے سوویت یونین کو طویل عرصے تک الجھا دیا جائے۔ مزاحمت کاروں پر اپنا کنٹرول رکھنے کے لئے انہوں نے ان کی متعدد تنظیمیں قائم کیں جو کہ فرقہ وارانہ بنیادوں پر تھیں۔ چونکہ افغانستان کی پشتون آبادی کا بڑا حصہ مسلک دیوبند سے وابستہ تھا، اس لیے قدرتی طور پر دیوبندی مسلک کی تنظیمیں بڑی تعداد میں تھیں۔ ان کے بعد اہل تشیع کا نمبر تھا کیونکہ افغانستان کی آبادی کا ایک اہم حصہ، خاص کر ہزارہ قبائل شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں ایران کی حمایت حاصل تھی۔ یہ لوگ نہ صرف سوویت یونین کے خلاف برسرپیکار رہے بلکہ کبھی کبھی ان کے مابین تصادم رونما ہو جاتا۔ یہ سلسلہ افغانستان سے نکل کر پاکستان میں آ پہنچا۔

1980 کے عشرے میں مختلف مسالک کے درمیان کھلی جنگ شروع ہو گئی۔ خاص کر اہل تشیع اور سنی دیوبندی حضرات کی مساجد اور اہم شخصیات کو نشانہ بنایا جانے لگا اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اہل تشیع میں سے علامہ عارف حسین الحسینی، علامہ عرفان حیدر عابدی، علامہ نذیر احمد عباس، ایرانی سفیر آقائے صادق گنجی اور بہت سے راہنماؤں کو نشانہ بنایا گیا۔ علمائے دیوبند میں سے مولانا حق نواز جھنگوی، ضیاء الرحمن فاروقی، اعظم طارق، یوسف لدھیانوی اور متعدد شخصیات ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنے۔ شروع میں اہل حدیث اور سنی بریلوی حضرات نسبتاً محفوظ رہے مگر 1987 میں ایک بم دھماکے کے نتیجے میں اہل حدیث حضرات کے متعدد اکابرین، جن میں علامہ احسان الٰہی ظہیر بھی تھے، کو نشانہ بنایا گیا۔ 1994 میں ایک بریلوی عالم مولانا محمد اکرم رضوی کو ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا گیا۔

2000 کے عشرے میں سبھی مسالک کے اجتماعات اور شخصیات کو بم دھماکوں کے ذریعے سبوتاژ کرنے کی کوشش کی گئی اور بریلوی حضرات پر حملوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ ان حملوں میں خاص کر ان شخصیات کو نشانہ بنایا گیا ہے جو دوسرے مسالک پر تنقید میں سب سے آگے تھیں۔ 2000 کی دہائی میں بعض ماورائے مسلک علماء کو بھی ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا گیا ہے جن میں ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک (1908-2002) اور ڈاکٹر محمد فاروق خان (1956-2010) نمایاں ہیں۔

یہ رجحان صرف افغانستان اور پاکستان کے اندر محدود رہا ہے۔ حالیہ برسوں میں اس رجحان کو ایران منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہندوستان کے مسلمان البتہ اسلحہ کی کمیابی کے باعث اس رجحان سے بڑی حد تک محفوظ رہے ہیں البتہ ان کے ہاں بھی مناظرے اور تحریر کے ذریعے ایک دوسرے کی تردید کا سلسلہ جاری ہے۔ حالیہ برسوں میں انڈیا میں ماورائے مسلک حضرات کی تعداد میں خاطر خواہ

اضافے کے باعث اس رجحان میں کمی واقع ہوئی ہے۔

اتحاد کا رجحان

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ان مسالک میں صرف اختلافات ہی کی تاریخ نہیں ہے بلکہ متعدد ایسے مواقع آئے ہیں جب ان کے ہاں اتحاد بین المسلمین کو فروغ دیا گیا ہے۔ ایک مغربی مفکر کا قول ہے کہ مشترکہ دشمن سے بڑھ کر کوئی چیز اتحاد پیدا کرنے والی نہیں ہوتی۔ 1950 کے عشرے میں جب پاکستان کے آئین کو سیکولر بنانے کی کوشش کی جارہی تھی اور عذر یہ پیش کیا جارہا تھا کہ جب مسلمانوں کے مختلف فرقے ہیں، کس کا اسلام نافذ کیا جائے۔ اس وقت تمام سنی اور شیعہ مکاتب فکر کے علماء نے اکٹھے ہو کر اسلامی آئین کے لیے 22 نکات پیش کیے۔ ان نکات کو سبھی مکاتب فکر کی حمایت حاصل رہی اور ان میں سے زیادہ تر پاکستان کے آئین کا حصہ بن گئے۔ 1953 اور 1974 کی تحریک ختم نبوت کے دوران سبھی مکاتب فکر اکٹھے رہے۔

2001 میں نائن الیون کے بعد جب امریکہ نے افغانستان اور عراق پر حملہ کیا اور ایران کو دھمکیاں جاری رکھیں تو سنی اور شیعہ سبھی میں امریکہ کے خلاف نفرت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ ان کی تمام سیاسی جماعتیں متحدہ مجلس عمل کے پلیٹ فارم پر اکٹھی ہوئیں۔ اگرچہ اس اتحاد میں بڑی جماعتیں، جمعیت علمائے اسلام اور جماعت اسلامی تھیں جو بالترتیب دیوبندی اور ماورائے مسلک حضرات کی نمائندگی کرتی ہیں مگر انہوں نے اپنا قائد بریلوی راہنما علامہ شاہ احمد نورانی (1926-2003) کو منتخب کیا۔ اس اتحاد میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، شیعہ اور ماورائے مسلک سبھی تنظیمیں شامل رہیں۔ 2002 کے الیکشن میں، پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مذہبی جماعتوں کو اتنی بڑی تعداد میں قومی اور صوبائی اسمبلی کی نشستیں مل سکیں۔ مولانا نورانی کی وفات کے بعد یہ اتحاد برقرار نہ رہ سکا اور یہ جماعتیں الگ ہو گئیں۔

اکیسویں صدی کے پہلے دو عشروں میں ہر مسلک کے لوگوں میں جہاں ایک جانب انتہا پسندی بڑھتی رہی ہے اور ایک دوسرے پر حملوں کا سلسلہ جاری ہے، وہاں اس کے بالکل متوازی اعتدال پسندی کا رجحان بھی موجود ہے جس میں مختلف مسالک کو قریب لانے اور ان میں افہام و تفہیم کی باتیں ہو رہی ہیں۔

نئی نسل میں پائے جانے والے رجحانات

جدید تعلیم انسان کو اور کچھ سکھائے یا نہ سکھائے، سوال کرنا ضرور سکھا دیتی ہے۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں تعلیم کا رجحان بڑھ رہا ہے جس کا نتیجہ لازماً یہ نکلتا ہے کہ انسان کے ذہن میں اپنے سابقہ معتقدات کے بارے میں سوال پیدا ہو جاتے ہیں۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لاشعور میں اپنے دین سے گہری وابستگی پائی جاتی ہے، اس وجہ سے یہ مذہب سے تو بے گانہ نہیں ہوتے ہیں البتہ ان کے ذہنوں میں اپنے مسلک کے بارے میں سوالات ضرور پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک جانب نوجوانوں کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب اللہ تعالی کارساز ہے، تو ہم اس کے سوا کسی اور سے مدد کیوں مانگیں؟ ہم مرادیں پانے کے لیے مزارات پر کیوں جائیں؟ جب اللہ تعالی

نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے تو ہم کسی فرقہ سے وابستہ کیوں ہوں؟ اسی طرح وہ مختلف فرقوں میں ایک دوسرے کے لیے پائی جانے والی نفرت دیکھتے ہیں تو ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے سوالات اٹھتے ہیں۔

سبھی مسالک کے اندر اب ایسے علماء پیدا ہو رہے ہیں جو دور جدید کی زبان میں اپنا نقطہ نظر بیان کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ عام طور پر یہی علماء میڈیا پر آتے ہیں اور ان کے پروگرامز کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ پہلے جو مناظرے مساجد اور مدارس میں ہوا کرتے تھے، اب وہ ٹی وی پر ہونے لگے ہیں۔ انٹرنیٹ پر سبھی مسالک کی کتب دستیاب ہو چکی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ لوگوں کے اندر مختلف نقطہ ہائے نظر کو دیکھنے، پرکھنے اور ان کا تقابلی جائزہ لینے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔

اس باب میں ہم نے جنوبی ایشیا کے اندر موجود مسالک اور مکاتب فکر کا جائزہ لیا ہے، اگلے باب میں ہم جنوبی ایشیا سے باہر مختلف مسالک کا جائزہ لیں گے۔

اسائنمنٹس

1. برصغیر میں اسلام پھیلنے کے اسباب کی نشاندہی کیجیے۔
2. برصغیر کی تاریخ کو مد نظر رکھتے ہوئے یہاں فرقہ بندی کی وجوہات پر تفصیلی بحث کیجیے۔
3. فرقہ واریت کی شدت کو ختم کرنے کے لیے اپنی تجاویز پیش کیجیے۔ کیا ماورائے مسلک مسلمان اس عمل میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

---

[1] محمد اسحاق بھٹی۔ برصغیر میں اہل حدیث کی آمد۔ ص68-120۔ لاہور: مکتبہ قدوسیہ (2004)۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

[2] حوالہ بالا۔ ص172

[3] محمد الیاس گھمن۔ فرقہ اہل حدیث پاک وہند کا تحقیقی جائزہ۔ ص55۔ www.4shared.com (ac. 13 Oct 2011)

[4] ممتاز احمد عبداللطیف۔ تحریک اہل حدیث کا تاریخی پس منظر۔ ص52۔ دہلی: دار النشر۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

باب 13: جنوبی ایشیا سے باہر اہل سنت کے ذیلی فرقے

اب تک ہم جنوبی ایشیا کے اندر اہل سنت کے ذیلی فرقوں کا مطالعہ کر رہے تھے، اس باب میں ہم جنوبی ایشیا کے علاوہ دیگر خطوں میں اہل سنت کے فرقوں کا مطالعہ کریں گے۔ اس معاملے میں ہمارے پاس مشرق وسطی اور مغربی ممالک کے اہل سنت کے بارے میں تو کافی معلومات دستیاب ہیں کیونکہ ان ممالک میں تیار ہونے والا مذہبی لٹریچر عربی یا انگریزی زبان میں ہے۔ باقی خطوں کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ ان ممالک کے علماء زیادہ تر اپنی علاقائی زبانوں میں لکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے بارے میں ہمیں زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ اس ضمن میں بعض غیر مسلم مستشرقین نے کافی مواد اکٹھا کیا ہے جو مختلف انسائیکلوپیڈیاز اور رپورٹس کی شکل میں موجود ہے۔ اس سے مدد لینے کے علاوہ ہم نے کوشش کی ہے کہ ہر خطے کے مسلمانوں سے متعلق جس قدر معلومات براہ راست دستیاب ہو جائیں انہی کی روشنی میں یہ تفصیلات فراہم کر دی جائیں۔

متعدد ممالک میں سلفی اور روایتی اہل سنت کی تقسیم موجود ہے مگر یہ اس قدر گہری نہیں ہے جیسا کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا معاملہ ہے۔ جنوبی ایشیا میں ہندوستان اور پاکستان کو چھوڑ کر دیگر ممالک جیسے بنگلہ دیش اور سری لنکا میں بھی اہل سنت کے ذیلی فرقے یعنی بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث موجود نہیں ہیں۔ سلفی اور روایتی رجحانات موجود ہیں جو ایک دوسرے کے متوازی چل رہے ہیں مگر ان ممالک میں اس درجے کی منافرت اور لڑائی جھگڑا نظر نہیں آتا جو کہ پاکستان اور بھارت کے مسلمانوں میں موجود ہے۔

مغربی ممالک

مغربی ممالک خاص کر برطانیہ، امریکہ اور کینیڈا میں یہ معاملہ ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کی آبادی کا بڑا حصہ جنوبی ایشیا سے ہجرت کر کے گیا ہے۔ یہ لوگ اپنے مذہبی اور مسلکی اختلافات بھی ساتھ لے گئے اور ان ممالک میں بھی مسلکی بنیادوں پر مساجد کی تعمیر ہوئی۔ امریکہ اور کینیڈا میں جو مسلمان گئے، وہ زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ تھے اور ان میں اس درجے میں مسلکی تعصب موجود نہیں تھا۔ جو کچھ تھوڑا بہت تھا، وہ ان کی اگلی نسلوں میں ختم ہو گیا کیونکہ وہاں کی نئی نسل کیا، کیوں اور کیسے کے سوالات پوچھنے کی عادی ہے۔ اب بھی اگر کوئی مسلمان جنوبی ایشیا سے وہاں جاتے ہیں تو ان میں تعصبات ہوتے ہیں مگر وہ وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس برطانیہ میں جو مسلمان جا کر آباد ہوئے، وہ زیادہ تر اس طبقے سے تھے جو دنیاوی اعتبار سے زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھا۔ اس وجہ سے ان کے ہاں مسلکی اختلافات اسی شدت سے موجود رہے جیسا کہ جنوبی ایشیا میں ہیں۔ اب بھی وہاں یہی صورتحال ہے کہ مساجد فرقہ وارانہ بنیادوں پر قائم ہیں اور ان میں بحث و مناظرہ کی وہی فضا موجود ہے جو کہ برصغیر کا خاصہ ہے۔ مسلمانوں کی نئی نسل میں جدید تعلیم کے رجحان کے ساتھ شدت میں اب کمی واقع ہو رہی ہے۔

مشرق وسطی

جو کشمکش جنوبی ایشیا میں بیسویں صدی میں جاری رہی، وہ مشرق وسطی میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے دوران روپذیر ہو کر اب تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ مشہور سلفی عالم شیخ محمد بن عبدالوہاب (1792-1703) نے اپنی دعوت کا مرکز "درعیہ" کو بنایا جو کہ اب موجودہ ریاض شہر کے اندر آ چکا ہے۔ ان کی دعوت کو نجد کے لوگوں نے بالعموم قبول کیا اور درعیہ کے حاکم محمد بن سعود نے بالخصوص قبول کیا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں جب حجاز کا علاقہ سعودی عرب میں شامل ہوا، تو سلفی حضرات کی دعوت نہ صرف سعودی عرب بلکہ دیگر عرب ممالک جیسے متحدہ عرب امارات، کویت، قطر وغیرہ میں سلفی دعوت پھیلی۔[1] اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ان سب ممالک میں غلبہ سلفی طرز فکر کا ہے۔ ان کے علاوہ روایتی مذہب، صوفی ازم اور شیعہ نقطہ نظر بھی ان ممالک میں موجود ہے مگر سلفی طرز فکر غالب ہے۔ کویت کے ایک صوفی عالم یوسف ہاشم الرفاعی نے سلفی نقطہ نظر پر شدید تنقید بھی کی جس کا سلفی علماء نے جواب دیا۔

عمان میں اباضی فرقہ کی اکثریت ہے جن کے عقائد کی تفصیلات کا مطالعہ ہم ماڈیول CS01 میں کر چکے ہیں۔ یمن میں اکثریت اہل تشیع کے زیدی فرقہ کی ہے، اس کے علاوہ سلفی نقطہ نظر کے لوگ بھی وہاں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ ایران، عراق اور بحرین میں اثنا عشری شیعہ حضرات کی اکثریت ہے اور اہل سنت اقلیت میں ہیں۔ ان کی بڑی تعداد اپنے ملک کے روایتی مسلک پر ہے۔ سلفی ازم کا رجحان بھی کسی حد تک پایا جاتا ہے۔

شام، اردن، مصر اور فلسطین میں غلبہ اخوان المسلمون کی فکر کا ہے جو عقائد میں سلفی نقطہ نظر کے قریب ہیں تاہم یہ کسی حد تک تصوف سے بھی متاثر ہیں۔ شام کے مشہور سلفی عالم علامہ ناصر الدین البانی (1999-1914) نے پچھلے دو عشروں میں حدیث پر غیر معمولی تحقیق کی ہے۔ انہوں نے حدیث کے بہت بڑے ذخیرے کا اصول حدیث کی روشنی میں جائزہ لے کر صحیح و ضعیف اور موضوع (جعلی) روایات کو الگ الگ کر دیا ہے۔ ان کا کام جیسے جیسے دنیا کے دوسرے علاقوں میں پہنچ رہا ہے، اس کے غیر معمولی نتائج نکل رہے ہیں کیونکہ خاص کر وہ احادیث جن پر بہت سے روایتی نقطہ ہائے نظر کی بنیاد ہے، کو انہوں نے ضعیف یا موضوع ثابت کر دیا ہے۔ اس وجہ سے صوفی اور روایتی حلقے ان کے کام پر شدید تنقید کرتے ہیں۔

لبنان میں صورتحال مختلف ہے۔ یہاں کی آبادی میں اہل سنت، اہل تشیع اور عیسائی تقریباً برابر ہیں جس کی وجہ سے ملک کئی عشروں تک خانہ جنگی کا شکار رہا ہے۔ یہاں کی سنی آبادی کا بڑا حصہ سلفی نقطہ نظر کے قریب ہے البتہ تصوف کے اثرات یہاں بھی ملتے ہیں۔

ترکی، وسطی ایشیا اور مشرقی یورپ

ترکی میں روایتی مسالک کی بجائے ایک اور طرز کی تقسیم پائی جاتی ہے جسے اسلام اور سیکولر ازم کی کشمکش کہا جا سکتا ہے۔ ویسے ترکی کی

اکثریت صوفی ازم کی حامی ہے کیونکہ یہاں اہل تصوف کی ایک بہت بڑی شخصیت مولانا جلال الدین رومی (603-671/1207-1273) کا مزار ہے اور ان کی تعلیمات کا اثر اہل ترکی پر بہت گہرا ہے۔ سیکولر ازم سے متعلق مسلم دنیا میں موجود اختلافات کا تفصیلی جائزہ ہم ماڈیول CS06 اور تصوف سے متعلق مسائل کا جائزہ ماڈیول CS05 میں لیں گے۔ چونکہ صوفی ازم اور سلفی ازم میں بنیادی عقائد کا اختلاف ہے، اس وجہ سے ترکی میں سلفی ازم کو زیادہ پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔

ترکوں کی ایک بہت بڑی تعداد جرمنی اور دیگر یورپی ممالک میں رہتی ہے۔ یہ ترک اپنے ان ہم وطنوں کی نسبت زیادہ مذہبی ہیں جو کہ خود ترکی میں مقیم ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر بھی تصوف سے وابستہ ہیں۔ مشرقی یورپ کے مسلم ممالک بوسنیا، البانیہ اور کوسوو میں روایتی طور پر اہل تصوف کا مسلک زیادہ پھیلا ہوا ہے مگر اب سلفی نقطہ نظر بڑی تیزی سے یہاں پھیل رہا ہے۔ ابھی تقسیم اس درجے میں گہری تو نہیں ہوئی جس حد تک جنوبی ایشیا میں ہے مگر پھر بھی دونوں گروہوں میں اختلافات بڑھ رہے ہیں۔

وسطی ایشیا کے ممالک قازقستان، ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان، کرغیزستان، تاتارستان اور چین وغیرہ میں بھی کم و بیش یہی صورتحال ہے۔ ان ممالک پر طویل عرصے تک کمیونسٹ سوویت یونین کا قبضہ رہا ہے۔ اس دور میں مذہب کو بری طرح کچلنے کی کوشش کی گئی تاہم روس سے آزادی کے بعد ان ممالک کے لوگ بڑی تیزی سے دین کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ ان علاقوں میں تصوف کی روایت بہت مضبوط رہی ہے، خاص کر نقشبندی سلسلے کی جڑیں یہاں بہت گہری ہیں کیونکہ اس سلسلے کے بانی خواجہ بہاء الدین نقش بند (717-791/1318-1389) کا تعلق بھی ازبکستان کے شہر سمرقند سے تھا۔ اب یہاں بڑی تیزی سے سلفی نقطہ نظر بھی پھیل رہا ہے جس کے نتیجے میں صوفی اور سلفی نقطہ ہائے نظر ایک دوسرے کے مقابل آ رہے ہیں۔

شمالی اور وسطی افریقہ

شمالی اور وسطی افریقہ میں بھی صورتحال یہی ہے۔ یہاں اہل تصوف کی متعدد خانقاہیں، جنہیں زاویہ کہا جاتا ہے، بڑے پیمانے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں لیبیا اور الجزائر کے علاقے میں سنوسی تحریک بڑے پیمانے پر پھیلی تھی جو اپنے عقائد میں سلفی نقطہ نظر کے قریب تھی۔ اس کے اثرات کے تحت اب یہاں پر بھی سلفی نقطہ نظر پھیل رہا ہے اور روایتی صوفیت کے ساتھ اس کی کشمکش جاری ہے۔

جنوب مشرقی ایشیا

جنوب مشرقی ایشیا کے علاقوں، جن میں انڈونیشیا، ملائشیا اور فلپائن شامل ہیں، میں بھی یہی صورتحال ہے۔ یہاں پر اسلام یا تو عرب تاجروں کے ذریعے پھیلا یا پھر صوفی حلقوں کے ذریعے۔ انڈونیشیا میں سلفی ازم بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے جس کے نتیجے میں یہاں بھی

صوفی اور سلفی نقطہ ہائے نظر میں تصادم کی سی کیفیت پائی جاتی ہے۔ انڈونیشیا میں بعض انتہا پسند گروہ جیسے جماعت اسلامیہ بھی موجود ہیں جنہوں نے جزیرہ بالی میں دھماکے کی ذمہ داری قبول کی تھی مگر یہاں کے صوفی اور سلفی سبھی مکاتب فکر ان گروہوں کی مذمت کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہندو اور بدھ مذاہب بھی یہاں موجود ہیں اور مسلم، ہندو اور بدھ تہذیبوں کی مشترکہ صوفیانہ روایت بھی یہاں طویل عرصے سے موجود رہی ہے، جسے "کیباطینان" کہا جاتا ہے۔ اس روایت کی بنیاد "وحدت الوجود (Pantheism)" کے نظریے پر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا اپنا حقیقی وجود نہیں ہے اور صرف اور صرف اللہ تعالی ہی کا وجود حقیقی ہے۔ اس نظریے کی بدولت ہر چیز چونکہ براہ راست اللہ تعالی ہی کے وجود کا مظہر قرار پاتی ہے، اس وجہ سے کفر و شرک اور اسلام، اور حلال و حرام کے تصورات کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی ہے۔ کیباطینان میں نیک روحوں کے ساتھ تعلق بنیادی اہمیت رکھتا ہے جس کی وجہ سے قبروں اور مزارات کو ایک خاص اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس نظریے کو 1945 اور 1973 کے آئین میں تسلیم کیا گیا ہے اور انڈونیشی صدر سوہارتو اسی نظریے کے پیروکار تھے۔

اس نقطہ نظر کی تردید سلفی علماء کی جانب سے کی گئی جو کہ مصر اور سعودی عرب کے علماء سے متاثر تھے اور ان کی بحثوں نے کم و بیش وہی صورت اختیار کی جو برصغیر جنوبی ایشیا میں رہی ہے۔ تاہم یہاں اس طریقے سے مستقل فرقے نہیں بن سکے ہیں۔[1]

اسائنمنٹس

1. برصغیر اور دیگر دنیا کے مسلمانوں میں مسلک پرستی کے اعتبار سے فرق بیان کیجیے۔
2. برصغیر میں کن بنیادوں پر مختلف فرقے پیدا ہوئے اور دنیا کے دیگر خطوں میں ایسا کیوں نہیں ہوا؟ وجوہات بیان کیجیے۔
3. شدت پسندی کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ اسے کس طریقے سے ختم کیا جا سکتا ہے؟
4. مستقبل میں دنیا کے مختلف ممالک میں مسلکی اختلافات کی کیا پوزیشن ہو گی؟ اپنی رائے بیان کیجیے۔

[1] Abu Sway, Mustafa. Salafism: From Theological Discourse to Political Activism. P. 9-10. http://www.passia.org/meetings/rsunit/Salafism.pdf (ac. 13 Oct 2011)

باب 14: ماڈیول CS02 کا خلاصہ

ذیل میں ہم ایک چارٹ پیش کر رہے ہیں جس میں اب تک ہم نے مختلف مکاتب فکر کے جن اختلافات کا مطالعہ کیا ہے، اس کا ایک خلاصہ آجائے گا۔

	سنی بریلوی	سنی دیوبندی	اہل حدیث	ماورائے مسلک	اہل تشیع
عقیدہ امامت	قائل نہیں	قائل نہیں	قائل نہیں	قائل نہیں	بنیادی عقیدہ
مقام صحابہ	قائل	قائل	قائل	قائل	اہل بیت کو ترجیح
دین کا ماخذ	قرآن اور سنت	قرآن اور سنت	قرآن اور سنت	قرآن اور سنت	قرآن، سنت، ائمہ
احادیث کی اہم کتب	بخاری، مسلم، موطا، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابو داؤد، مسند احمد				اصول اربعہ، نہج البلاغہ
نماز، روزہ، حج، زکوۃ	فروعی اختلافات کے ساتھ کم و بیش ایک سے ہیں				
محرم کی رسومات	حرام	حرام	حرام	حرام	مستحسن ہیں
اہم تہوار	عید الفطر، عید الاضحی، عید میلاد	عید الفطر، عید الاضحی	عید الفطر، عید الاضحی	عید الفطر، عید الاضحی	عاشورہ محرم، عید الفطر، عید الاضحی، عید میلاد النبی
استعانت لغیر اللہ	انبیاء و اولیا سے کی جاتی ہے	عموماً نہیں کی جاتی	شرک سمجھا جاتا ہے	شرک یا حرام سمجھا جاتا ہے	ائمہ اہل بیت سے کی جاتی ہے
عقیدہ حاضر و ناظر	انبیاء و اولیا حاضر و ناظر ہیں	غیر اللہ کو حاضر و ناظر ماننا شرک ہے	غیر اللہ کو حاضر و ناظر ماننا شرک ہے	غیر اللہ کو حاضر و ناظر ماننا شرک ہے	انبیاء و ائمہ حاضر و ناظر ہیں
بدعت	بدعت حسنہ اچھی چیز ہے	ہر بدعت گمراہی ہے	ہر بدعت گمراہی ہے	ہر بدعت گمراہی ہے	بدعت حسنہ اچھی چیز ہے

	سنی بریلوی	سنی دیوبندی	اہل حدیث	ماورائے مسلک	اہل تشیع
عید میلاد النبی	منانی چاہیے	بدعت ہے	بدعت ہے	بدعت ہے	منانی چاہیے
ایصال ثواب	قائل ہیں	عموماً قائل ہیں	قائل نہیں	عموماً قائل نہیں	قائل ہیں
نذر و نیاز	ایصال ثواب کی نیت سے جائز	بدعت ہے	بدعت ہے	بدعت ہے	ایصال ثواب کی نیت سے جائز
میت کی رسوم	مستحسن ہیں	بدعت ہیں	بدعت ہیں	بدعت ہیں	مستحسن ہیں

تعمیر شخصیت

غیر مخلص مذہبی اور سیاسی راہنماؤں سے ہوشیار رہیے۔ یہ آپ کا استحصال کرتے ہیں۔ ہمیشہ اپنی عقل پر اعتماد کیجیے نہ کہ کسی راہنما کی عقل پر۔

اگلا ماڈیول

اس ماڈیول میں ہم نے تفصیل سے اہل سنت کے ذیلی فرقوں کا مطالعہ مکمل کر لیا ہے۔ اب ہم سنی اور شیعہ کے باہمی اختلافات کے ساتھ ساتھ اہل سنت کے مختلف گروہوں کے عقائد و نظریات سے پوری طرح آگاہ ہو چکے ہیں۔

اگلے ماڈیول میں انشاء اللہ ہم ان گروہوں کے عقائد و نظریات کا مطالعہ کریں گے جو خود کو اسلام سے وابستہ سمجھتے ہیں لیکن تمام مسلمان متفقہ طور پر ان کے نظریات کو اسلام سے الگ شمار کرتے ہیں۔ ان میں ایک وہ لوگ ہیں جو سنت و حدیث کا انکار کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو ختم نبوت کا۔

تعمیر شخصیت قوم کی تعمیر ایک طویل عمل ہے۔ اگر آپ اپنی قوم کی حقیقی تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو اپنی جدوجہد کے نتائج کے لئے طویل انتظار کیجیے۔ قوم کی تعمیر دنوں کا کام نہیں ہے۔

ببلیو گرافی

1. قرآن مجید
2. ابن ماجہ۔ **السنن**۔ (ac. 3 Oct 2011) http://www.almeshkat.net/books/
3. ابو داؤد سلیمان بن اشعث۔ **السنن**۔ (ac. 3 Oct 2011) http://www.almeshkat.net/books/
4. احمد بن حنبل۔ **المسند**۔ (ac. 3 Oct 2011) http://www.almeshkat.net/books/
5. احمد بن شعیب النسائی۔ **السنن الصغری**۔ (ac. 3 Oct 2011) http://www.almeshkat.net/books/
6. حاکم نیشاپوری۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ (ac. 3 Oct 2011) http://www.almeshkat.net/books/
7. مالک بن انس۔ **الموطا**۔ (ac. 3 Oct 2011) http://www.almeshkat.net/books/
8. محمد بن اسماعیل بخاری(194-256/810-870) ۔ **الجامع الصحیح**۔ (ac. 3 Oct 2011) http://www.almeshkat.net/books/
9. محمد بن عیسی الترمذی(209-279/824-892)۔ **السنن**۔(ac. 3 Oct 2011) http://www.almeshkat.net/books/
10. مسلم بن حجاج(204-261/819-875)۔ **الجامع الصحیح**۔(ac. 3 Oct 2011) http://www.almeshkat.net/books/

قدیم اہل علم کی کتب

11. احمد بن حسین بیہقی۔ **حیات الانبیا**۔(ترجمہ: حفیظ اللہ خان)۔لاہور: ادارہ اسلامیات
12. بارزی۔ **انباہ الاذکیا فی حیات الانبیا**۔(ترجمہ: حفیظ اللہ خان)۔لاہور: ادارہ اسلامیات
13. جلال الدین سیوطی شافعی۔ **انباہ الاذکیا فی حیات الانبیا**۔(ترجمہ: حفیظ اللہ خان)۔لاہور: ادارہ اسلامیات
14. شاہ اسماعیل۔ **تقویۃ الایمان**۔ریاض: مکتب تعاون برائے دعوت وتوعیۃ(2006)۔(ac. 8 Sep 2009) www.islamhouse.com
15. فضل حق خیر آبادی۔ **امتناع نظیر** (فارسی)۔(ac. 7 Jan 2011) www.alahazratnetwork.org
16. محمد بن جریر الطبری۔ **تاریخ الامم والملوک** (عربی)۔ مصر: دار المعارف۔(ac. 5 Feb 2007) www.waqfeya.net
17. محمد بن طاہر البرزنجی اور محمد صبحی حسن حلاق۔ **صحیح تاریخ الطبری** (عربی)۔بیروت: دار ابن کثیر۔ (ac. 5 Feb 2007) www.waqfeya.net
18. محمد بن طاہر البرزنجی اور محمد صبحی حسن حلاق۔ **ضعیف والمسکوت عنہ تاریخ الطبری** (عربی)۔بیروت: دار ابن کثیر۔ (ac. 5 Feb 2007) www.waqfeya.net

سنی بریلوی مکتب فکر کی کتب

19. احمد رضا خان بریلوی۔زبدة الزكية في تحريم سجود التحية (عربی)۔گجرات: **مرکز اہل السنت**۔ (ac. 14 Oct 2011) www.al-mostafa.com
20. احمد رضا خان بریلوی۔ فتاوی افریقہ۔**فیصل آباد**: مکتبہ نوریہ رضویہ۔(ac. 14 Oct 2011) www.nafseislam.com
21. احمد سعید کاظمی۔ **الحق المبین**۔ خانیوال: نعمان اکادمی(2004)۔(ac. 3 Aug 2008) www.alahazratnetwork.org

22. احمد سعید کاظمی۔ **توحید و شرک**۔ (ac. 3 Aug 2008) www.alahazratnetwork.org

23. احمد یار خان نعیمی۔ **جاء الحق**۔ (ac. 7 Jan 2011) www.alahazratnetwork.org

24. ارشد القادری۔ **زلزلہ**۔ (ac. 11 July 2011) www.rehmani.net

25. الطاف حسین سعیدی۔ **حسام الحرمین کے سو سال**۔ (ac. 3 Aug 2008) www.alahazratnetwork.org

26. غلام رسول سعیدی۔ **شرح صحیح مسلم**۔ لاہور: فرید بک اسٹال (2003) (accessed 3 Oct 2011) www.nafseislam.com

27. محمد عبد الحکیم شرف قادری۔ **البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ**۔ (ac. 3 Aug 2008) www.alahazratnetwork.org

28. محمد کرم شاہ الازہری۔ **تحذیر الناس میری نظر میں**۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ (ac. 13 Oct 2011) www.ahlehaq.org

29. محمد کرم شاہ الازہری۔ **تفسیر ضیاء القرآن**۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ (ac. 3 Oct 2011) www.nafseislam.com

سنی دیوبندی مکتب فکر کی کتب

30. جمیل الرحمن اختر قادری نقشبندی مجددی۔ **تحقیق مسئلہ ایصال ثواب**۔ لاہور: انجمن خدام اسلام۔

31. خالد محمود۔ **شاہ اسماعیل محدث دہلوی**۔ لاہور: مکتبہ المعارف (1975)

32. خلیل احمد سہارن پوری۔ **المھند علی المفند**۔ لاہور: ادارہ اسلامیات (1984)۔ (ac. 13 Oct 2011) www.esnips.com

33. رشید احمد۔ **سات مسائل**۔ کراچی: الرشید (1993)

34. سید ابو الحسن علی ندوی۔ **دین حق اور علمائے ربانی: شرک و بدعت کے خلاف کیوں**۔ رائے بریلی: مکتبہ عثمانیہ (1983)۔ (ac. 13 Oct 2011) rahesunnat.wordpress.com

35. سید سلیمان ندوی۔ **اہل السنۃ والجماعۃ**۔ کراچی: مجلس نشریات اسلام (1997) rahesunnat.wordpress.com (ac. 13 Oct 2011)

36. سید مہدی حسن شاہجہان پوری۔ **امام اعظم ابو حنیفہ اور معترضین**۔ دہلی: جمعیت علمائے ہند۔ (2001)۔ rahesunnat.wordpress.com (ac. 13 Oct 2011)

37. شاہ محمد فاروق۔ **علمائے دیوبند: معاصرین کی نظر میں**۔ کراچی: عثمانی کتب خانہ (2008)۔ rahesunnat.wordpress.com (ac. 13 Oct 2011)

38. عبد الجبار سلفی دیوبندی۔ **سلفی کون؟** مکتبہ الجنید۔ rahesunnat.wordpress.com (ac. 13 Oct 2011)

39. عبد الرؤف سکھروی۔ **موت کے وقت کی بدعات**۔ کراچی: میمن اسلامک پبلشرز۔ (ac. 13 Oct 2011) www.ahlehaq.org

40. محمد ابو الخیر قریشی اسدی۔ **فتاوی اعلی حضرت**۔ کراچی: پاک اکیڈمی۔ (ac. 13 Oct 2011) www.ahlehaq.org

41. محمد اسماعیل محمدی جھنگوی۔ **فضائل اعمال پر اعتراض کیوں؟** لاہور: مکتبہ حسنین معاویہ۔ (ac. 13 Oct 2011) www.4shared.com

42. محمد اقبال رنگونی۔ **بدعت اور اہل بدعت: اسلام کی نظر میں**۔ لاہور: دار المعارف۔ (ac. 13 Oct 2011) www.ahlehaq.org

43. محمد الیاس گھمن۔ **فرقہ اہل حدیث پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ**۔ (ac. 13 Oct 2011) www.4shared.com

44. محمد انور اوکاڑوی۔ **خیر الوسائل الی ضبط المسائل**۔ ملتان: مکتبہ امدادیہ۔ www.e-iqra.info (ac. 13 Oct 2011)

45. محمد تقی عثمانی۔ **سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے و جلوس**۔ (ac. 31 Aug 2008) www.nazmay.com

46. محمد زکریا کاندھلوی۔ **آپ بیتی**۔ کراچی: مکتبہ عمر فاروق۔ (ac. 13 Oct 2011) www.ahlehaq.org

47. محمد زکریا کاندھلوی۔ **کتب فضائل پر اعتراضات اور ان کے جوابات**۔ لاہور: مکتبہ خلیل (2001)۔ (ac. 13 Oct www.ahlehaq.org

2011)

48. محمد سرفراز خان صفدر۔ **بانی دارالعلوم دیوبند**۔ گوجرانوالہ: مکتبہ صفدریہ(2007)۔ www.ahlehaq.org (ac. 13 Oct 2011)

49. محمد سرفراز خان صفدر۔ **راہ سنت**۔ گوجرانوالہ: مکتبہ صفدریہ(2005)۔ www.ahlehaq.org (ac. 13 Oct 2011)

50. محمد سرفراز خان صفدر۔ **عبارات اکابر**۔ گوجرانوالہ: مکتبہ صفدریہ(2005)۔ www.e-iqra.com (ac. 7 Jan 2011)

51. محمد سرفراز خان صفدر۔ **گلدستہ توحید**۔ گوجرانوالہ: مکتبہ صفدریہ(2008)۔ www.e-iqra.com (ac. 7 Jan 2011)

52. محمد سرفراز خان صفدر۔ **مقام ابی حنیفہ**۔ گوجرانوالہ: مکتبہ صفدریہ(2007)۔ www.e-iqra.com (ac. 7 Jan 2011)

53. محمد سیف الرحمن قاسم۔ **حضرت نانوتوی اور خدمات ختم نبوت**۔ گوجرانوالہ: جامعۃ الطیبات(2008)۔ www.ahlehaq.org (ac. 13 Oct 2011)

54. محمد شفیع۔ **سنت وبدعت**۔ لاہور: مکتبہ خلیل۔ www.ahlehaq.org (ac. 13 Oct 2011)

55. محمد طیب۔ **علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج**۔ لاہور: ادارہ اسلامیات(1988)

56. محمد عارف سنبھلی۔ **بریلوی فتنہ کا نیا روپ**۔ لاہور: ادارہ اسلامیات(1978)۔ islamicbookslibrary.wordpress.com (ac. 7 Jan 2011)

57. محمد عبدالرحمن مظاہری۔ **اعلیٰ حضرت احمد رضا خان: حیات اور کارنامے**۔ دہلی: ربانی بک ڈپو(2006)۔ www.ahlehaq.org (ac. 13 Oct 2011)

58. محمد قاسم نانوتوی۔ **تحذیر الناس**۔ گوجرانوالہ: ادارہ العزیز (2001)

59. محمد منظور نعمانی۔ **اذان قبر کا تحقیقی جائزہ**۔ لاہور: انجمن ارشاد المسلمین۔ rahesunnat.wordpress.com (ac. 13 Oct 2011)

60. مفتی عبداللہ۔ **دیوبندی بریلوی اختلاف کا حل**۔ www.e-iqra.com (ac. 7 Jan 2011)

61. نجم الدین احیائی۔ **زلزلہ در زلزلہ**۔ کراچی: مکتبہ اصلاح معاشرہ (2000)۔ www.ahlehaq.org (ac. 13 Oct 2011)

62. نظام الدین شامزئی۔ **آئینہ بریلویت**۔ کراچی: مکتبہ اصلاح ملت (2006)۔ www.ahlehaq.org (ac. 13 Oct 2011)

63. نعمت اللہ اعظمی۔ **حضرت امام ابو حنیفہ پر ارجاء کی تہمت**۔ دہلی: جمعیت علمائے ہند۔ freeurdubooksdownload.blogspot.com (ac. 13 Oct 2011)

64. نور محمد۔ **فاتحہ کا طریقہ**۔ کراچی: بیت الکتب۔ rahesunnat.wordpress.com (ac. 13 Oct 2011)

65. ***Differences in the Ummat and Sirat-e-Mustaqim***. www.central-mosque.com (ac. 15 Jan 2011)

اہل حدیث کتب فکر کی کتب

66. احسان الٰہی ظہیر۔ **احباب دیوبند کی کرم فرمائیاں، اہل حدیث پر**۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

67. احسان الٰہی ظہیر۔ **البریلویہ**۔ www.kitabosunnat.com (ac. 3 Oct 2011)

68. ارشاد الحق اثری۔ **مولانا سرفراز صفدر اپنی تصنیفات کے آئینہ میں**۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2010)

69. حکیم محمود احمد۔ **علمائے دیوبند کا ماضی**۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

70. زبیر علی زئی۔ **آل دیوبند سے 210 سوالات**۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

71. سید طالب الرحمن۔ **الدیوبندیہ**۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

72. سید نذیر حسین دہلوی۔ **معیار الحق**۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

73. عبید الرحمن محمدی۔ تبلیغی جماعت کا تحقیقی جائزہ۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

74. عطاء اللہ ڈیروی۔ تبلیغی اور دیوبندی جماعت کا عقیدہ صوفیت۔ www.muwahideen.tz4.com (ac. 14 Apr 2008)

75. عطاء اللہ ڈیروی۔ صوفیت اور تبلیغی جماعت کا تباہ کن صوفیت کا عقیدہ۔ www.ahya.org (ac. 22 May 2008)

76. محمد اسحاق بھٹی۔ برصغیر میں اہل حدیث کی آمد۔ لاہور: مکتبہ قدوسیہ (2004)۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

77. محمد اسحاق زاہد۔ اہل حدیث اور علمائے حرمین کا اتفاق۔ www.alhudaa.com (ac. 7 Jan 2011)

78. محمد اقبال کیلانی۔ عقیدہ توحید اور دین خانقاہی (صوفی ازم)۔ لاہور: حدیث پبلی کیشنز۔ www.deenekhalis.com (ac. 6 May 2009)

79. محمد خلیل ہراس (ترجمہ: محمد خالد سیف)۔ وہابی تحریک۔ فیصل آباد: طارق اکیڈمی۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

80. محمد داؤد ارشد۔ دین حق بجواب جاء الحق۔ لاہور: مکتبہ عزیزیہ۔ www.kitabosunnat.com (ac. 21 Jan 2010)

81. محمد طارق خان۔ تبلیغی جماعت: عقائد، افکار، نظریات اور مقاصد کے آئینہ میں۔ www.ahya.org (ac. 7 Jan 2011)

82. محمد ناصر الدین البانی۔ سلسلة أحاديث الصحيحة۔ ریاض: مکتبہ المعارف۔ www.waqfeya.com (ac. 15 June 2006)

83. محمد ناصر الدین البانی۔ (ترجمہ: طارق علی بروہی)۔ مسلمانوں کی فلاح ونشاۃ ثانیہ کا واحد راستہ: سلفی منہج۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

84. محمد ناصر الدین البانی۔ سلسلة أحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة۔ ریاض: مکتبہ المعارف۔ www.waqfeya.com (ac. 15 June 2006)

85. ممتاز احمد عبد اللطیف۔ تحریک اہل حدیث کا تاریخی پس منظر۔ دہلی: دار النشر۔ www.kitabosunnat.com (ac. 7 Jan 2011)

86. Muhammad Bin Abdul Wahhab. ***Kitab At-Tauhid***. www.islambasics.com (ac. 12 July 2010)

ماورائے مسلک علماء کی کتب

87. امین احسن اصلاحی۔ تزکیہ نفس۔ فیصل آباد: ملک سنز۔ http://www.quranurdu.com(ac. 5 May 2008)

88. سید ابوالاعلی مودودی۔ تفسیر تفہیم القرآن۔ www.iquranurdu.com (ac. 3 Oct 2011)

89. سید ابوالاعلی مودودی۔ رسائل ومسائل۔ www.quranurdu.com (ac. 3 Oct 2011)

غیر جانبدار کتب

90. Abu Sway, Mustafa. ***Salafism: From Theological Discourse to Political Activism.*** http://www.passia.org/meetings/rsunit/Salafism.pdf (ac. 13 Oct 2011)
91. Blanchard, Christopher M. ***The Islamic Traditions of Wahhabism and Salafiyya.*** CRS Report for Congress. 24 Jan 2008. http://www.fas.org/sgp/crs/misc/RS21695.pdf (ac. 13 Oct 2011)
92. Foudah, Sa'id 'Abd Al-Latif. ***Modern Salafism and its Effect on Muslim Disunity.*** www.marifah.net (acc. 10 Jan 2011)
93. Hegghammer, Thomas. ***Jihadi-Salafis or Revolutionaries?*** http://hegghammer.com/_files/Hegghammer_-_jihadi_salafis_or_revolutionaries.pdf (ac. 13 Oct 2011)
94. Nahouza, Namira. ***Contemporary Wahhabism rebranded as Salafism.*** https://eric.exeter.ac.uk/repository/bitstream/handle/10036/88347/NahouzaN_fm.pdf?sequence=2 (ac. 13 Oct 2011)
95. Sedgwick, Mark. ***Contextualizing Salafism.*** Forfatteren og Tidsskrift for Islamforskning, publiceret 15-03-2010. http://www.islamforskning.dk/Tidsskrift_1_2010/Contextualizing_Salafism.pdf (ac. 13 Oct 2011)